در کفے جامِ شریعت، در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

بیادگار

حضرت ابوالبرکات سید حسن قادری گیلانی
رحمۃ اللہ علیہ

پندرہ روزہ

پشاور

الحسن

"شاہ محمد غوث" اکیڈمی، یکہ توت، پشاور

شاہ محمد غوث اکیڈمی پشاور کا علمی مجلہ بیادگار حضرت ابو البرکات سید حسن صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہ

رجسٹرڈ نمبر پی ۳۶۹

پندرہ روزہ

الحسن پشاور

بانی مدیر
فقیر محمد امیر شاہ
قادری گیلانی

مدیر اعلیٰ
سید غلام الحسنین
قادری گیلانی

شمارہ نمبر ۳۰۵-۳۰۶ جلد نمبر ۲۶

یکم تا ۳۱ جولائی ۲۰۰۵ء جمادی الثانی ۱۴۲۶ھ

مدیر اعلیٰ سید غلام الحسنین قادری گیلانی نے رضوان پرنٹرز
قصہ خوانی بازار پشاور سے طبع کرکے یکہ توت پشاور سے شائع کیا

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	مضمون نگار	صفحہ نمبر
۱	شذرہ	علاؤ الدین عدیم	۲
۲	نعت رسول مقبول ﷺ	سید امین گیلانی	۳
۳	انوار غوثیہ شرح الشمائل المحمدیہ	حضرت سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ	۴
۴	شہ لولاک وسیلہ کے آئینہ میں	الحاج صوفی مشتاق احمد صدیقی	۱۶
۵	دراسات الحسنیہ	حضرت سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ	۲۱
۶	نعت شریف	فدا خالد دہلوی	۳۰
۷	روح اسلام (تصوف)	ڈاکٹر محمد عطاء اللہ قادری جلوی رحمۃ اللہ علیہ	۳۱
۸	ارشادات غوث الصمدانی رضی اللہ عنہ	مرتب: سید کامران شاہ بخاری	۴۱
۹	غزل	بشیر منذر	۵۳
۱۰	سیدنا مولوی جی کی شان فقر و درویشی	سید محمد انور شاہ قادری	۵۴
۱۱	تبصرہ کتب	سید محمد یاسر بخاری	۶۳

شذرہ

تجاوزات اور بے ہنگم ٹریفک

علاءالدین عدیم

پشاور میں تجاوزات اور ٹریفک کے اژدھام کی صورتحال ابتر سے ابتر ہوتی جارہی ہے مگر مقامی حکام کی طرف سے یہ مسئلہ مسلسل غفلت اور بے توجہی کا شکار ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس کی طرف سے انہوں نے یوں آنکھیں بند کررکھی ہیں گویا اس بارے میں ان پر کوئی ذمہ داری ہی عائد نہ ہوتی ہو۔

بعض علاقے تو خاص کر اس مسئلہ کی انتہائی زد میں ہیں جس کی وجہ سے عوام کو انتہائی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کچہری دروزاہ سے باہر پورا اشرف روڈ اور نئے دروزاے سے تھانہ ہشتنگری تک ٹریفک کی جو ابتر صورتحال ہوتی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔

اس کے علاوہ یکہ توت دروازہ سے باہر کے چوک سے لے کر وزیر باغ کو جانے والی سڑک بھی تجاوزات اور ٹریفک کے لحاظ سے کچھ ایسا ہی منظر پیش کرتی ہے۔

یہاں پر ایک طرف پھل فروٹ بیچنے والی گاڑیوں نے مستقل ڈیرے جمارکھے ہیں جو صبح سے رات گئے تک وہاں کھڑی رہتی ہیں تو دوسری طرف تانگوں اور ہزار خوانی جانے والی سوزوکی گاڑیوں کا اڈہ بھی ہے جو کہ ٹریفک کے مزید بگاڑ کا سبب ہے۔ نیز سڑک کے کنارے جو کھدائی کی گئی ہے اس کا ملبہ بھی کئی ماہ سے جوں کا توں پڑا ہے۔ اس سڑک پر نشیب کی طرف اکثر چھڑکاؤ کا پانی بھی چھوڑ دیا جاتا ہے جس سے پیدا چلنے والے بوڑھوں، بچوں اور خواتین خصوصاً سکول کالج سے چھٹی ہونے کے اوقات میں طالبات کو سخت پریشانی کا سامنے کرنا پڑتا ہے۔

بلدیاتی حکام بالخصوص ٹاؤن ون کے ناظم کو تجاوزات اور ٹریفک کے رش کے ان مقامات کا خود جائزہ لے کر ضروری احکامات صادر کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

نعت شریف

سید امین گیلانی

نہ کوئی تخت ہے ان کا، نہ کوئی تاج ہے ان کا
مگر سب اہلِ ایمان کے دلوں پہ راج ہے ان کا
تو پڑھ کر دیکھ لے قرآن میں "قوسین" کی آیت
کہ اس میں کتنا روشن نقطہ معراج ہے ان کا
کوئی مخلوق میں ہے؟ جس کو یہ اعزاز حاصل ہوں
رسالت تخت ہے ان کا، شفاعت تاج ہے ان کا
وہ ہیں سلطانِ کُل، میرے دل و جاں چیز ہی کیا ہیں
مری جان ان کا نذرانہ، مرا دل باج ہے ان کا
نہ صرف انسان یا جن و ملک مداح ہیں ان کے
ثنا گو ان کا بلبل، مدح خواں دراج ہے ان کا
کوئی جس وقت چاہے اپنا ظرفِ مدعا بھر لے
کہ ہر دم دجلہ جود و سخا معراج ہے ان کا
بدل ڈالا تھا کل جس نے مقدر نوعِ انساں کا
وہی پیغام اے انساں! تجھے بھی آج ہے ان کا
بروز حشر امیںؔ وہ ہی شفیع المذنبیں ہوں گے
گدا ہو کوئی، یا ہو شاہ، محتاج ہے ان

گزشتہ سے پیوستہ

انوارِ غوثیہ شرح الشمائل النبویۃ

از قطب الاقطاب شیخ القرآن والحدیث

حضرت علامہ سید محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

بَابُ مَا جَآءَ فِی کُحُلِ رَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

اس باب میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں مبارک میں سرمہ کرنے کا بیان ہے۔

(اس باب میں پانچ احادیث ہیں)

تشریح اس باب میں سرور عالم وعالمیان صلی اللہ علیہ وسلم کا خود بنفس نفیس اپنی مبارک آنکھوں میں سرمہ ڈالنا، سرمہ ڈالنے کے متعلق ارشادات گرامی، سرمہ ڈالنے کا طریقہ اور سرمہ ڈالنے کے فوائد بیان کئے گئے ہیں۔

آنکھوں میں سرمہ ڈالنا مستحب ہے، چاہئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباعِ سنت کرتے ہوئے ہم سرمہ کا استعمال کریں تاکہ اخروی ثواب کے مستحق ہوں اور جو فوائدِ ظاہری اس کے استعمال سے آنکھوں کو حاصل ہوتے ہیں ان سے بھی بہرہ مند ہوں۔ ''مواہب اللدنیہ شرح شمائل النبویہ'' میں حضرت علامہ ابراہیم بن محمد البیجوری (التوفی ۱۲۷۶ھ) تحریر فرماتے ہیں:

والاکتحال عندنا معاشر الشافعیہ سنۃ للاحادیث الواردۃ فیہ

''اور ہم شافعیہ کے نزدیک وہ احادیث جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں آنکھوں میں سرمہ ڈالنا سنت ہے''

علامہ البیجوری فرماتے ہیں:

كان له صلى الله عليه واله وسلم ربعة اسكندرانيه مراة و مشط و مكحلة و مقراض و مسواک و كانت له مراة اسمها المدلة

یعنی حضور پاک ﷺ کے پاس ایک اسکندرانیہ کی ڈبیہ تھی جس میں شیشہ، کنگھی، سرمہ دانی، قینچی اور مسواک ہوتی اور حضور ﷺ کا جو شیشہ تھا اس کا نام المدلہ تھا۔

حدیث نمبر ۱/۴۸ حدثنا محمد بن حميد الرازی انبانا ابو داؤد الطيالسی عن عباد بن منصور عن عكرمة عن ابن عباس رضى الله عنهما اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَالِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اكْتَحِلُوْا بِالْاِثْمِدِ فَاِنَّهٗ يَجْلُو الْبَصَرَ وَ يُنْبِتُ الشَّعْرَ وَ زَعَمَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَالِهٖ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهٗ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ مِنْهَا كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلٰثَةً فِیْ هٰذِهٖ وَ ثَلَاثَةً فِیْ هٰذِهٖ

ترجمہ ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا اثمد کا سرمہ ڈالا کرو کیونکہ وہ بینائی کو جلا دیتا ہے اور پلکیں اگاتا ہے۔ جناب ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے پاس سرمہ دانی تھی جس سے ہر رات تین سلائی ایک آنکھ مبارک میں اور تین سلائی دوسری آنکھ میں ڈالتے۔

حل لغات اِكْتَحِلُوْا: تم سرمہ ڈالو، تم سرمہ لگاؤ، كحل: سرمہ، الكحل بالضم كل ما يوضع فی العين للاستشفاء یعنی الکحل ضم کے ساتھ ہر وہ شے جو آنکھوں میں شفا طلب کرنے کیلئے استعمال کی جائے۔ اِثْمِد: سنگ سیاہ، سرمہ کا پتھر، بیان کیا جاتا ہے کہ یہ سرمہ کا پتھر اصفہان میں ہوتا ہے، تھوڑے پانی کو بھی ثَمَدٌ کہتے ہیں، حدیث مبارک میں ہے وَافْجَرَ لَهُمُ الثَّمَدُ یعنی حضور نبی کریم ﷺ نے ان کیلئے ایک تھوڑے سے پانی کو رواں کر دیا۔ يَجْلُو الْبَصَرَ: بینائی کو جلا دیتا ہے، بینائی کو زیادہ کرتا ہے۔ يُنْبِتُ الشَّعْرَ: بال اگاتا ہے، مصدر نَبْتٌ ہے جس کے معنی اگنا، سرسبز ہونا ہے۔ زَعَمَ: یہ لغت اضداد میں سے ہے جسکے معنی گمان یا خیال کے ہیں، اسی طرح اس کے معنی سچی بات کہنے

کے بھی ہیں اسی لئے یہاں شارحین نے زَعَم کے معنی القول الحق کے کئے ہیں۔ مُکْحُلَۃٌ: سرمہ دانی۔

تشریح ارشاد ہے ''اثمد کا سرمہ ڈالا کرو'' اس سرمہ کے استعمال کی فضیلت کیلئے یہی کافی ہے کہ یہ سرمہ حضور سید دو عالم ﷺ نے بھی استعمال فرمایا اور استعمال کرنے کا ارشاد فرمایا اور پیارے محبوب ﷺ تو خیر کا امر ہی فرمایا کرتے تھے۔ ترمذی کی روایت میں ہے

اکتحلوا بالاثمد المروح " اور سنن ابی داوٗد میں ہے امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم بالاثمد المروح عند النوم " ارشاد ہے ''بینائی کو جلا دیتا ہے، یعنی آنکھوں کی نورانیت زیادہ کرتا ہے اور دماغ سے جو خراب مادہ آنکھوں کے ذریعہ خارج ہوتا ہے اس کو زائل کرتا ہے اور آنکھوں کو صاف ستھرا رکھتا ہے۔ ابن ماجہ میں روایت آئی ہے کہ ''تمام سرموں میں بہتر سرمہ اثمد ہے کہ روشن کرتا ہے نگاہ کو اور اگاتا ہے پلکوں کو۔''

حدیث نمبر ۲/۴۹ حدثنا عبد اللہ بن الصباح الھاشمی البصری اخبرنا عبید اللہ بن موسی اخبرنا اسرائیل بن یونس عن عباد بن منصورح و حدثنا علی بن حجر حدثنا یزید بن ھرون انبانا عباد بن منصور عن عکرمۃ عن ابن عباس قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَالِہٖ وَسَلَّمَ یَکْتَحِلُ قَبْلَ اَنْ یَّنَامَ بِالْاِثْمِدِ ثَلٰثًا فِیْ کُلِّ عَیْنٍ وَ قَالَ یزید بن ھرون فی حدیثہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَالِہٖ وَسَلَّمَ کَانَتْ لَہٗ مُکْحُلَۃٌ یَکْتَحِلُ مِنْھَا عِنْدَ النَّوْمِ ثَلٰثًا فِیْ کُلِّ عَیْنٍ

ترجمہ جناب ابن عباس فرماتے ہیں کہ سید دو عالم ﷺ نیند فرمانے سے پہلے ہر ایک آنکھ مبارک میں اثمد کے سرمہ کی تین سلائی لگایا کرتے تھے اور یزید بن ہارون نے فرمایا کہ ایک حدیث کے مطابق حضور ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس سے نیند فرمانے کے وقت حضور پاک ﷺ ہر آنکھ مبارک میں تین بار سرمہ لگاتے تھے۔

تشریح ارشاد ہے ''ہر آنکھ مبارک میں تین بار سرمہ لگاتے تھے'' یعنی داہنی آنکھ میں تین سلائی اور بائیں آنکھ میں تین سلائی سرمہ استعمال فرماتے۔ بعض احادیث مبارکہ میں ذکر ہے کہ ''جو شخص سرمہ لگائے تو طاق لگائے'' حضرات علمائے کرام فرماتے ہیں کہ سرمہ استعمال کرنے کے دو طریقے ہیں: ایک یہ کہ تین سلائی داہنی آنکھ میں اور دو سلائی بائیں آنکھ میں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ تین تین سلائی ہر ایک آنکھ میں لگائے نیز داہنی جانب سے شروع کرے کیونکہ تکریم کے جتنے بھی کام ہوتے ان کو حضور رحمت للعالمین ﷺ داہنی جانب سے ہی کیا کرتے تھے۔ اس حدیث پاک کی دو سندیں ذکر کی گئی ہیں اور ان دو اسناد کے درمیان ح ذکر کی گئی ہے۔ اس ح کے متعلق حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ الباری ''جمع الوسائل'' میں کافی بحث کے بعد تحریر فرماتے ہیں

'' قال شیخ مشائخنا المعظمین شیخ القراء و المحدثین محمد بن محمد بن محمد الجزری رحمہ اللہ تعالیٰ فی البدایہ اذا کان للحدیث اسنادان او اکثر کتبوا ''ح'' عند الانتقال من اسنادٍ اشارہ الی التحویل من اسنادٍ الی اسنادٍ فیتلفظ بہا بہا الحدیث عند الوصول الیہا فیقول حا ویمد فی القراۃ و علیہ عمل اصحابنا''

یعنی ہمارے بزرگ ترین شیخ المشائخ شیخ القراء والمحدثین محمد بن محمد بن محمد جزری رحمۃ اللہ علیہ نے ہدایہ میں فرمایا جب ایک حدیث کی دو سندیں ہوں یا زیادہ تو جس وقت ایک سند سے دوسری سند کی طرف لوٹنے کا وقت آئے تو ح لکھا جائے۔ یہ ایک سند سے دوسری سند کی طرف لوٹنے کا اشارہ ہے اور حدیث مبارک پڑھنے والا جب اس جگہ پہنچے تو حا کا تلفظ کرے اور قراۃ میں حا کو لمبا کرے یعنی حا پڑھے اور ہمارے اصحاب کا اسی پر عمل ہے۔

حضرت قطب الاقطاب شیخ المحدثین سید شاہ محمد غوث صاحب پشاوری ثم لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

'' ح بجائے مہملہ اشارت است بتحویل اسناد یعنی انتقال از یک اسناد باسنادِ دیگر می گویند چوں خوف التباس می باشد کہ مبادا ظن کردہ شود ہر دو سند را یک سند، لہٰذا درمیان کلمہ حا می آرند''

یعنی ح (حائے مہملہ) یہ اشارہ ہے اسناد کی تبدیلی کا یعنی ایک اسناد سے دوسری اسناد کی طرف لوٹنا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ ایک دوسرے کے مشابہ ہو جانے کا خوف پیدا ہو کہ دونوں سندوں کو ایک ہی سند سمجھا جائے اس لئے دونوں سندوں کے درمیان کلمہ حا لے آتے ہیں۔

حدیث نمبر ۵۰/۳ حدثنا احمد بن منیع انبانا محمد بن یزید عن محمد بن اسحق عن محمد بن المنکدر عن جابر قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ عَلَیْکُمْ بِالْاِثْمِدِ عِنْدَ النَّوْمِ فَاِنَّہٗ یَجْلُو الْبَصَرَ وَ یُنْبِتُ الشَّعَرَ

ترجمہ جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ سرور کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا: سوتے وقت اثمد کا سرمہ ضرور آنکھوں میں ڈال لیا کرو۔ پس بیشک یہ آنکھوں کی بینائی کو جلا دیتا ہے اور بالوں کو اگاتا ہے۔

تشریح اس حدیث مبارک کی تشریح گزری ہوئی احادیث میں دیکھئے۔

حدیث نمبر ۵۱/۴ حدثنا قتیبۃ بن سعید قال اخبرنا بشر بن الفضل عن عبداللہ بن عثمان بن خثیم عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ اِنَّ خَیْرَ اَکْحَالِکُمُ الْاِثْمِدُ یَجْلُو الْبَصَرَ وَ یُنْبِتُ الشَّعَرَ

ترجمہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمہارے سب سرموں سے اچھا سرمہ اثمد کا سرمہ ہے، بینائی کو جلا دیتا ہے اور بالوں کو اگاتا ہے۔

حل لغات اَکْحَال: سرمے، کحل کی جمع ہے۔

حدیث نمبر ۵۲/۵ حدثنا ابراھیم بن المستمر البصری حدثنا ابو عاصم عن عثمان بن عبدالملک عن سالم عن ابن عمر قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ

وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ عَلَیْکُمْ بِالْاِثْمِدِ فَاِنَّہٗ یَجْلُو الْبَصَرَ وَ یُنْبِتُ الشَّعْرَ

ترجمہ ابن عمر سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ سرور عالم و عالمیان ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اثمد کا سرمہ ڈال لیا کرو، یہ آنکھوں کی بینائی کو جلا دیتا ہے اور بال اگاتا ہے۔

تشریح ان تمام احادیثِ مبارکہ میں اصفہانی سرمہ کرنے کی ترغیب ہے اور ان کے فوائد کا ارشاد ہے۔

حضرات علماء محققین نے حضور پاک ﷺ کے ان پُر حکمت ارشادات کی روشنی میں فرمایا ہے کہ سرمہ لگانا مستحب ہے اور ہر قسم کا سرمہ جو آنکھوں کو فائدہ پہنچائے اور پلکیں اگائے اس کا استعمال بلاشبہ جائز ہے اور اثمد کا سرمہ استعمال کرنا افضل ہے۔

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ کُحْلِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ پورا ہوگیا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بَابُ مَا جَآءَ فِیْ لِبَاسِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ

اس باب میں سرور عالم و عالمیان ﷺ کے لباس مبارک کا بیان ہے۔

(اس باب میں سولہ احادیث ہیں)

تشریح اس باب میں حضور شفیع المذنبین صاحبِ شفاعتِ کبریٰ ملجانا وماوانا حضرت رسول کریم ﷺ کے کپڑوں کا، جناب سید المرسلین ﷺ کا سفید لباس اور کرتہ پسند فرمانا، کرتے کی ہیئت کا، چادر مبارک اوڑھنے کا، نیا کپڑا پہنتے وقت دعا کرنے کا اور مختلف رنگوں کے لباس پہننے کا ذکر ہے۔ علامہ ابراہیم بن محمد البیجوری (المتوفی ۱۲۷۶ھ) ''المواہب اللدنیہ'' کے صفحہ ۵۰ پر تحریر فرماتے ہیں

واللباس تعتریہ الاحکام الخمسة فیکون واجبا کاللباس الذی یستر العورة عن

العیون و مندوبا کالثوب الحسن للعیدین و الثوب الابیض للجمعة ، و محرما

کالحریر للرجال و مکروھا کلبس الخلق دائما للغنی و مباحا وھوما عدا ذلک

''لباس کے پہننے میں پانچ قسم کے احکام ہیں: جس لباس سے لوگوں کی نظروں سے ستر عورت کو چھپا دیا جائے ایسا لباس پہننا واجب ہے۔ دونوں عیدوں کے ایام میں جو اچھا کپڑا اور جمعہ کے دن جو سفید کپڑا پہنا جائے وہ مندوب ہے۔ اور ریشمی لباس کا پہننا مردوں کیلئے حرام ہے۔ مالدار آدمی کو ہمیشہ کیلئے پھٹے پرانے کپڑے پہننا مکروہ ہے اور اس کے برعکس مباح ہے۔

جناب علامہ عبدالجواد الدومی الاتحافات الربانیہ بشرح الشمائل المحمدیہ صفحہ ۹۳ پر تحریر فرماتے ہیں:

کان صلی اللہ علیه و اله وسلم یلبس من لباس قومه ولا یحب ان تیمیز علی واحد منهم

''حضور پیغمبر اسلام ﷺ اپنا قومی لباس پہنا کرتے تھے اور لباس کے پہننے میں کسی ایک پر فوقیت پسند نہیں فرماتے تھے۔''

حدیث نمبر ۱/۵۳ حدثنا محمد بن حمید الرازی انبانا الفضل بن موسیٰ و ابو تمیلة و زید بن حباب عن عبدالمومن ابن خالد عن عبداللہ بن بریدة عن ام سلمة

قَالَتْ کَانَ اَحَبُّ الثِّیَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ الْقَمِیْصَ

ترجمہ ام المومنین ام سلمہ فرماتی ہیں کہ کپڑوں میں نبی کریم ﷺ کو قمیص (کرتہ) بہت پسند تھی۔

حل لغات قَمِیْصٌ: کرتہ، والقمیص اسم لما یلبس من المخیط الذی له کمان و حبیب یلبس تحت الثیاب ولا یکون من صوف کذا فی القاموس

تشریح اس حدیث کی تشریح اسی باب میں تیسری حدیث کی شرح میں دیکھئے۔

حدیث نمبر ۲/۵۴ حدثنا علی بن حجر حدثنا الفضل بن موسی عن عبدالمومن

بن خالد عن عبدا للہ بن بریدۃ عن ام سلمۃ قَالَتْ کَانَ اَحَبُّ الثِّیَابِ اَلٰی رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ الْقَمِیْصَ

ترجمہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کپڑوں میں نبی کریم ﷺ کو قمیص (کرتہ) بہت پسند تھا۔

تشریح اس حدیث کی تشریح بھی اسی باب میں تیسری حدیث کی شرح میں ملاحظہ فرمایئے گا۔

حدیث نمبر ۵۵/۳ حدثنا زیاد بن ایوب البغدادی حدثنا ابو تمیلۃ عن عبدالمومن بن خالد عن عبداللہ بن بریدۃ عن امہ عن ام سلمۃ قَالَتْ کَانَ اَحَبُّ الثِّیَابِ اِلٰی رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَلْبَسُہُ الْقَمِیْصَ ۔ قَالَ اَبُوْعِیْسٰی ھکذا زیاد بن ایوب فی حدیثہ عن عبداللہ بن بریدۃ عن امہ عن ام سلمۃ و ھکذا روی غیر واحد عن ابی تمیلۃ مثل روایۃ زیاد بن ایوب و ابو تمیلۃ یزید فی ھذا الحدیث عن امہ وھو اصح

ترجمہ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ سرور عالم و عالمیان ﷺ پہننے کے کپڑوں میں قمیص (کرتہ) کے پہننے کو بہت زیادہ پسند فرماتے تھے۔

تشریح ان ہر سہ احادیث کا متن ایک ہی ہے سوائے اس کے کہ اس حدیث میں "یلبسہ" آیا ہے مگر چونکہ اسناد قدرے مختلف تھے اس لئے ایک ہی متن کو علیحدہ علیحدہ سند کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

کرتہ کے ساتھ تمام بدن (تقریباً) ڈھانپ لیا جاتا ہے۔ بدن پر کرتہ ہلکا بھی محسوس ہوتا ہے۔ اس کے استعمال میں تکبر اور فخر بھی نہیں پایا جاتا ہے اور اس سے بدن اچھا، ستھرا اور خوبصورت نظر آتا ہے۔ علماء کرام نے فرمایا کہ غالباً اسی لئے حضور ﷺ کو کرتہ پہننا مرغوب خاطر تھا۔ جناب سید دو عالم ﷺ نے لباس کے استعمال کے متعلق بھی انتہائی زہد و درویشانہ زندگی کو محبوب رکھا۔ جناب علامہ ابراہیم بن محمد

الباجوری (المتوفی ۱۲۷۶ھ) ''المواہب اللدنیہ'' کے صفحہ ۵۰ پر تحریر فرماتے ہیں:

لم یکن له سوی قمیص واحد

یعنی جناب سرورِ عالم و عالمیان صاحبِ شفاعتِ کبریٰ، احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ایک کے سوا دوسری قمیص بھی نہ تھی۔

نیز اسی صفحہ پر آگے فرماتے ہیں:

ففی الوفاہ عن عائشه رضی الله تعالیٰ عنها قالت ما رفع رسول الله صلی الله علیه واله وسلم قط غداء العشاء ولاعشاء لغداء ولا اتخذ من شیء زوجین لا قمیصین ولا ردائین ولا ازارین ولا زوجین من النعال

''ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور پاک ﷺ صبح کے کھانے میں سے شام کیلئے اور شام کے کھانے میں سے صبح کیلئے کچھ بھی بچا نہیں رکھتے تھے۔ (یعنی ایک سے دوسرے وقت کیلئے کچھ بھی نہ چھوڑتے سب کچھ تقسیم فرمادیتے) اور بیک وقت آنحضور ﷺ کے پاس کسی چیز کے دو جوڑے نہیں ہوتے تھے۔ نہ دو قمیص نہ دو چادریں، نہ دو لنگیاں اور نہ ہی جوتوں کے دو جوڑے۔''

حدیث نمبر ۵۶/۴ حدثنا عبدالله بن محمد بن الحجاج حدثنا معاذ بن هشام حدثنی ابی عن بدیل العقیلی عن شهر بن حوشب عن اسماء بنت یزید قَالَتْ كَانَ كُمُّ قَمِيْصِ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ اِلَى الرُّسْغِ

ترجمہ اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ حضور سید الانس والجان پیغمبر اسلام رسول کریم ﷺ کی قمیص کی آستین کلائی تک ہوتی تھی۔

حل لغات کُمٌّ: آستین قمیص۔ رُسْغٌ: یہ بجائے س کے ص کے ساتھ بھی آتا ہے جیسے رُصْغٌ: وہ جوڑ جو کلائی اور بازو، یا ہتھیلی اور کلائی یا پنڈلی اور ان کے درمیان واقع ہو، پہنچا۔ اس حدیث شریف میں

س (الرسغ) کے ساتھ ہے اور ایک دوسری حدیث شریف میں ص (الرصغ) کے ساتھ اس طرح آیا ہے اِنَّ کُمَّہٗ کَانَ اِلَی رُصْغِہٖ یعنی آنحضور ﷺ کی آستین پہنچے تک تھی۔ وھو مفصل ما بین الکف والساعد من الانسان۔

تشریح جناب مولانا مولوی محمد عاقل صاحب لکھتے ہیں

"شیخ جزری می فرماید کہ دریں حدیث دلالت است بر آنکہ سنت آنست کہ آستین پیراہن از بندِ دست دراز نباشد و در سواء پیراہن سنت آنست کہ از انگشتان تجاوز نہ کند"

یعنی شیخ جزری فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شریف دلالت کر رہی ہے کہ کرتا کی آستین کا کلائی تک رکھنا سنت ہے، پہنچے سے آستین دراز نہ ہو اور بغیر کرتہ کے یہ سنت ہے کہ انگلیوں سے آستین تجاوز نہ کرے"

حدیث نمبر ۵۷/۵ حدثنا ابو عمار الحسین بن حریث حدثنا ابو نعیم حدثنا زھری عن عروۃ بن عبداللہ بن قشیر عن معاویۃ بن قرۃ عن ابیہ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ فِیْ رَھْطٍ مِنْ مُزَیْنَۃَ لِنُبَایِعَہٗ وَ اِنَّ قَمِیْصَہٗ لَمُطْلَقٌ اَوْ قَالَ زِرُّ قَمِیْصِہٖ مُطْلَقٌ قَالَ فَاَدْخَلْتُ یَدِیْ فِیْ جَیْبِ قَمِیْصِہٖ فَمَسِسْتُ الْخَاتَمَ

ترجمہ قرہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں قبیلہ مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تا کہ ہم سب آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کریں۔ اس وقت حضور صاحب لولاک ﷺ کے کرتہ مبارک (کا گریبان) کھلا ہوا تھا۔ یا (قرہ نے یہ) فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کی قمیص مبارک کا تکمہ (بٹن) کھلا ہوا تھا۔ (قرہ) نے فرمایا کہ میں نے اپنا ہاتھ حضور ﷺ کے کرتہ مبارک کے گریبان کے اندر داخل کر کے مہرِ نبوت کو چھوا۔

حدیث نمبر ۵۷/۵ حدثنا ابو عمار الحسین بن حریث حدثنا ابو نعیم حدثنا زھری عن عروۃ بن عبداللہ بن قشیر عن معاویۃ بن قرۃ عن ابیہ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ فِیْ رَھْطٍ مِنْ مُزَیْنَۃَ لَنُبَایِعَہٗ وَ اِنَّ قَمِیْصَہٗ لَمُطْلَقٌ اَوْ قَالَ زِرُّ قَمِیْصِہٖ مُطْلَقٌ قَالَ فَاَدْخَلْتُ یَدِیْ فِیْ جَیْبِ قَمِیْصِہٖ فَمَسِسْتُ الْخَاتَمَ

حل لغات رَھْطٍ: قوم اور قبیلہ تین اشخاص سے لے کر سات یا دس یا چالیس اشخاص تک کی جماعت کو کہتے ہیں اور یہ ایک ایسی جماعت ہوتی ہے جس میں عورتیں شامل نہیں ہوتیں، گروہ۔ رَھْطٌ کے معنی بڑے بڑے لقمے کھانا بھی ہیں۔ مُزَیْنَۃَ: مضر سے قبیلہ ہے، واصلہ اسم امراۃ لَ نُبَایِعَ ہٗ: تا کہ ہم بیعت کریں اس کی ﷺ۔ مُطْلَقٌ: کھلی ہوئی، طَلُقَ سے ہے جس کے معنی رسی کھل جانا، بند سے چھوٹ جانا کے ہیں۔ زِرٌّ: گھنڈی، تکمہ، بٹن، اس کی جمع اَزْرَارٌ ہے۔

تشریح ارشاد ہے "میں قبیلہ مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ سید المرسلین ﷺ خاتم النبیین ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا تا کہ ہم لوگ آپ ﷺ کے دستِ مبارک پر بیعت کریں۔ یہ بیعت جیسا کہ حضرت علامہ عبدالروف صاحب مناوی مصری (المتوفی ۱۰۰۳ھ) نے تحریر فرمایا "عَلَی الْاِسْلَام" اسلام لانے کی بیعت تھی۔ قبیلہ مزینہ مضر قوم کا ایک قبیلہ ہے۔ اس قبیلہ سے ایک جماعت بیعت اسلام کیلئے آئی اور جناب قرۃ بن ایاس بھی ان کے ہمراہ آئے اور بیعت اسلام سے مشرف ہوئے۔ ارشاد ہے کہ "اس وقت حضور نبی کریم ﷺ کے کرتہ مبارک (کا گریبان) کھلا ہوا تھا" یا قرۃ نے یہ فرمایا کہ "آنحضرت ﷺ کی قمیص کا تکمہ کھلا ہوا تھا" یعنی جس وقت یہ جماعت بیعت اسلام کیلئے حاضر ہوئی تو آپ ﷺ کا گریبان (مبارک) کھلا ہوا تھا۔ چونکہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی یہ عادت تھی کہ جس طرح وہ اپنے پیارے محبوب ﷺ کو دیکھتے اسی طرح کا طریقہ اختیار کرتے چاہے وہ لباس کی کسی ہیئت کا ہی کیوں نہ ہو۔ چنانچہ "جمع الوسائل" میں جناب محدث کبیر حضرت علامہ ملا علی قاری رحمہ الباری تحریر فرماتے ہیں

قال عروہ فلما رایت معاویہ ولا اباہ الا

مطلقی الازار فی شتاء ولا خریف ولا یزران ازرارھما

یعنی عروہ فرماتے ہیں کہ میں نے معاویہ اور اس کے باپ کو کبھی نہیں دیکھا مگر دیکھا تو ایسی حالت میں کہ ان کے گریبان کی گھنڈی (تکمہ) لگی ہوئی نہیں ہوتی تھی۔ اگرچہ گرمی ہو یا سردی ہمیشہ ان کی گھنڈیاں کھلی رہتی تھیں۔

یہی اطاعت، فرمانبرداری اور محبت کا وہ مقدس اور پاک جذبہ تھا جس کی بدولت آج امتِ محمدیہ کے پاس حضور پیغمبر اسلام ﷺ کی ایک ایک سنت، ایک ایک عمل اور ایک ایک ادا موجود اور محفوظ ہے۔

ارشاد ہے میں نے اپنا ہاتھ رسول کریم ﷺ کے کرتہ مبارک کے گریبان کے اندر داخل کر کے مہر نبوت کو چھوا "جَیب" کا اطلاق اس کپڑے پر ہوتا ہے جو کہ قمیص کے سینہ پر علیحدہ لگایا جاتا ہے تاکہ اس میں کچھ شے رکھی جا سکے مگر جناب محدث کبیر علامہ ملا علی قاری رحمہ الباری فرماتے ہیں:

ولکن المراد من الجیب فی هذا الحدیث طوقه الذی یحیط باالعنق

"اور لیکن اس حدیث میں جَیب سے مراد وہ گریبان ہے جو گردن کو گھیرے ہوئے ہو"

ایک صحابی کو حضور پاک ﷺ کے ساتھ اتنا والہانہ عشق تھا اور اتنی غائت درجہ کی محبت تھی کہ انہوں نے جب آنحضور ﷺ کا گریبان کھلا دیکھا تو بے صبری اور وارفتگی کے عالم میں ہر قسم کے آداب کی پرواہ نہ کرتے ہوئے گریبان مبارک کے اندر ہاتھ داخل کر کے مہر نبوت چھونے کی سعادت حاصل کر لی اور اسکی برکت اور نورانیت سے اپنے وجود کو بابرکت اور منور بنا لیا اور حضور سراپا برکت و نور شفیق امت ﷺ کی یہ کمال شفقت، عنایت اور مہربانی تھی کہ ان کو مہر نبوت چھونے سے منع نہیں فرمایا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضور ﷺ کے وجودِ اطہر کے ساتھ انتہائی محبت و عقیدت تھی کہ حضور سراپا نور ﷺ کے وجود بابرکت کو ہاتھ لگانا بھی اپنے لئے ہزار ہا برکات اور سعادت کا باعث اور ذریعہ سمجھتے تھے۔ حضرت علامہ محمد عاقل صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ شارح شمائل شریف فرماتے ہیں

"پس سودم مہر نبوت را بدست خود از برائے تبرک و تیمن او و ایں از سبب کمال شفقت بر امت خود و گرنہ کرا مجال است کہ ایں قدر جرأت نماید"

یعنی پس میں نے اپنے ہاتھ سے مہر نبوت کو چھوا تاکہ اس کی برکت اور تیمن مجھے حاصل ہو (باقی صفحہ ۲۱ پر)

قسط نمبر ۴

شہ لولاک وسیلہ کے آئینہ میں

پرنسپل (ریٹائرڈ) الحاج صوفی مشتاق احمد صدیقی

چھٹا اعتراض حدیث شریف میں ہے کہ زمانہ فاروقی میں بارش بند ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا دامن پکڑ کر بارگاہِ الٰہی میں دعا کی کہ مولیٰ ہم تیرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے بارش مانگا کرتے تھے، آج تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ سے بارش مانگ رہے ہیں، بارش بھیج! چنانچہ بارش ہوئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی زندگی میں تو ان کا توسل جائز ہے، بعد وفات جائز نہیں۔

جواب میں حضرت العلامہ فرماتے ہیں کہ

"اس حدیث میں یہ نہیں کہ آپ نے فرمایا ہو کہ اب ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ چھوڑ دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ارشاد کا منشاء یہ ہے کہ مولیٰ ہم نہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ ان کے عزیزوں، قریبوں اور ان سے نسبت رکھنے والوں کا بھی وسیلہ اختیار کرتے ہیں۔ اس سے وسیلہ کو عام کرنا مقصود ہے کہ وسیلہ اولیاء اللہ کا بھی ہوسکتا ہے۔ اس لئے آپ نے بِعَمِّ نَبِیِّکَ کہا بِالْعَبَّاس نہ کہا۔ ورنہ حضرات صحابہ نے حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فرمان پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے وسیلہ سے رب سے بارش مانگی جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا جاچکا ہے۔"

ساتواں اعتراض معترضین کہتے ہیں کہ جیسے ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل کی ضرورت ہے یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے وسیلہ کی حاجت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ہماری کوششوں کے وسیلہ سے دنیا میں شائع ہوتے ہیں۔ ہماری عبادات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ثواب ملتا ہے۔ ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایا اور فوج ہیں۔ بادشاہ کو رعایا کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور

فوج کی بھی۔

اس ضمن میں حضرت العلامہ فرماتے ہیں

"اس کا جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر خدا تعالیٰ کو بھی مخلوق کے وسیلہ کا محتاج مانو کہ اس کا دین، اس کا قرآن، اس کی عبادات بندوں ہی کے ذریعہ سے دنیا میں پھیل رہی ہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ وسیلہ وہ ہوتا ہے جس کے نہ ہونے سے چیز بھی نہ ہو۔ یعنی موقوف علیہ حضور ﷺ کا دین ثواب درجات ہم پر موقوف نہیں بلکہ ہم حضور ﷺ کے حاجتمند ہیں۔ حضور ﷺ ہم سے غنی ہیں ہم سے یہ خدمات لینا ہماری عزت افزائی کیلئے ہے۔ رعایا بادشاہ کی حاجتمند ہے، بادشاہ رعایا کا محتاج نہیں۔ حضور ﷺ کی خدمت کیلئے جنات، فرشتے بلکہ خاک، پانی اور ہوا سب حاضر ہیں۔

آٹھواں اعتراض رب تعالیٰ فرماتا ہے سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ ؕ لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ؕ (المنافقون: ٦) یعنی ان منافقوں کیلئے دعائے مغفرت کریں یا نہ کریں ہم تو انہیں ہرگز نہیں بخشیں گے۔ بولو کہاں گیا وسیلہ، حضور ﷺ کی دعا سے بھی بخشش نہیں۔

جواب: اس بخشش نہ ہونے کی وجہ یہ ہی تھی کہ منافقین حضور ﷺ کے وسیلہ کے دل سے انکاری تھے۔ سیدھے براہ راست رب تک پہنچنا چاہتے تھے۔ معترضین کی پیش کردہ پوری آیت یوں ہے

وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا يَسۡتَغۡفِرۡ لَكُمۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ لَوَّوۡا رُءُوۡسَهُمۡ وَ رَاَيۡتَهُمۡ يَصُدُّوۡنَ وَهُمۡ مُّسۡتَكۡبِرُوۡنَ (۵) سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ---الخ۔

یعنی جب منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لئے دعا کریں تو اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور از تقاضۂ غرور آپ کے پاس نہیں آتے۔ ان مردودوں بے وسیلوں کیلئے آپ اپنے کرم کریمانہ سے دعا دے بھی دیں ہم تب بھی انہیں نہیں بخشیں گے کیونکہ وہ وسیلہ کی اہمیت سے انکاری ہیں۔ مومنوں کے متعلق حضور انور ﷺ کو فرمایا گیا وَ صَلِّ عَلَيۡهِمۡ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ ؕ (التوبۃ: ۱۰۳) یعنی اے محبوب ﷺ! آپ ان کیلئے دعا فرمائیں، آپ کی دعا ان کے دلوں کی چین ہے۔ یہی لوگ

وسیلہ والے ہیں۔"

حضرت قبلہ مفتی صاحب حضور ﷺ سے توسل کی تین صورتیں بتاتے ہیں: (۱) توسل جنانی۔ (۲) توسل لسانی۔ (۳) توسل عملی

توسل جنانی یہ ہے کہ دل میں عقیدہ رکھے کہ اللہ کی ہر رحمت حضور ﷺ کے توسل سے ملے گی اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ہے

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا دروازہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ زبان سے درگاہِ الٰہی میں حضور ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرے "الٰھی بجاہ نبیک، بحق نبیک" کہے یا خدایا اپنے نبی ﷺ کی عزت ان کے حق یا ان کے توسل سے مجھے یہ دے۔

توسل عملی یہ ہے کہ نیک اعمال حضور ﷺ کی طرف سے کرے یہ نماز پڑھتا ہوں اللہ کیلئے حضور نبی کریم ﷺ کی طرف سے یا خود حضور ﷺ سے ہی رب کی رحمت مانگے۔ یہ بھی توسل کی قسم ہے۔ یہ تمام توسل حضرات صحابہ کرام سے ثابت ہیں۔ ابن ماجہ شریف وغیرہ میں ہے کہ دعاءِ حاجت حضور ﷺ نے ایک نابینا کو تعلیم فرمائی اس میں یہ الفاظ ہیں

اللھم انی اسئلک و اتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمۃ یا محمد انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذا لتقضیٰ اللھم فشفعہ فی

(ابن ماجہ باب صلوۃ الحاجۃ عن عثمان ابن حنیف)

مسلم شریف میں ہے کہ حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی نے حضور ﷺ سے عرض کیا اسئلک مرافقتک فی الجنۃ میں مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔ حضرت علی المرتضیٰ حضور نبی کریم ﷺ کی طرف سے ہمیشہ قربانی فرماتے تھے۔ یہ تمام صورتیں توسل ہی کی ہیں اور اس آیہ کریمہ پر عمل ہے یا اپنے اعمال حضور ﷺ کے نام لگا دو تا کہ کل قیامت میں ان پر تفتیش و تجسس نہ ہو۔

حضرت العلامہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تائید غیبی کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ:

"مجھے دیو بندی مکتب فکر کے عظیم رہنما مولوی اشرف علی تھانوی کی ایک کتاب "الوسیلہ" ملی۔ اس میں مولوی صاحب موصوف نے وسیلہ مانا ہے اور بزرگوں سے توسل کے جواز کیلئے بہت دلائل دیئے ہیں۔ ابن تیمیہ اور قاضی شوکانی کی بہت تردید کی ہے اور جو دلائل اور جوابات ہم نے عرض کئے ہیں ان میں سے بہت سے دلائل مولوی موصوف نے دیئے ہیں۔ یہ ہمارے نزدیک تائید غیبی ہے۔

الحمد لله علی ذلک

صوفیاء کرام اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاح و کامیابی کیلئے چار چیزیں مقرر فرمائی ہیں: ایمان، تقویٰ، وسیلہ کی تلاش اور جہاد۔ ان میں تین چیزیں فلاح کا قالب ہیں، ایمان، تقویٰ، جہاد اور ایک چیز فلاح کی جان یعنی وسیلہ کہ بغیر وسیلہ یہ تینوں چیزیں بیکار ہیں۔

وسیلہ دو قسم کا ہوتا ہے: ایک محض وسیلہ جیسے کسی مقام پر جانے کیلئے ریل، بس یا جہاز وغیرہ۔ دوسرا وہ وسیلہ جس سے مقصد وابستہ ہو جیسے روشنی کیلئے چراغ۔ پہلا وسیلہ مقصود پر پہنچ کر چھوڑ دیا جاتا ہے مگر دوسرے وسیلہ سے ہر وقت وابستگی ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام دوسری قسم کا وسیلہ ہیں جن سے ایمان وتقویٰ اور رضاءِ الٰہی وابستہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن چھوٹا کہ سب کچھ ختم ہوا۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام کلمہ طیبہ میں، ساری عبادتوں میں، مومن کی زبان میں، جان میں، ایمان میں داخل ہے۔ مرنا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر اور قیامت میں اٹھنا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر۔

صوفیاء کرام فرماتے ہیں جیسے جسمانی نعمتیں بعض تو بغیر تلاش کے ہم کو مل جاتی ہیں جیسے سورج کا نور ہوا، زمین، آسمان کا سایہ۔ بعض نعمتیں معمولی تلاش کرنا پڑتی ہیں جیسے کنوئیں کا پانی، بعض نعمتیں قدرے کوشش و محنت سے تلاش کی جاتی ہیں جیسے عام غذائیں، دوائیں وغیرہ۔ بعض بہت ہی محنت اور جانفشانی سے جیسے سونے، چاندی کی کانیں، تیل کے چشمے۔ اسی طرح روحانی نعمتیں بعض آسانی سے ملتی ہیں اور بعض بہت ہی محبت وتلاش سے۔ وسیلہ خدا رسی وہ نعمت ہے جس کیلئے بڑی تلاش کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس لئے ارشاد ہوا کہ وَ ابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ ۔

اب رہا یہ سوال کہ خدارسی کا وسیلہ کہاں ڈھونڈا جائے اس کے متعلق صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر چیز اس کے دروازے سے ڈھونڈی جاتی ہے۔ بادشاہ سے ملنا ہو تو اس کے در، اس کی گلی سے، اس کی مسجد سے جہاں وہ نماز کیلئے آتا ہے۔ یوں ہی رب تعالیٰ سے ملنا ہو تو حضور ﷺ کے دروازے پر آؤ۔ حضور ﷺ کی محبت چاہتے تو حضرات اولیاء و علماء کے آستانوں پر حاضری دو کہ وہیں آپ کو رشد و ہدایت کی روشنی ملے گی۔

اسی لئے فرمایا گیا وَ ابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ غرضیکہ جیسے دنیاوی نعمتیں دنیاوی منڈیوں میں ملتی ہیں اسی طرح روحانی نعمتیں روحانی منڈیوں میں ملتی ہیں۔ خدارسی کا وسیلہ اس کی منڈی ہے حضور ﷺ کے عاشقوں کے سینے میں۔ رب فرماتا ہے لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ، وَ اَنْتَ حِلٌّ ، بِهٰذَا الْبَلَدِ (البلد: ۱-۲) مجھے اس شہر کی قسم جس میں آپ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ وہ شہر کون سا ہے، وہ شہر ان کے چاہنے والوں کے سینے ہی تو ہیں۔ ان کے آستانوں پر جاؤ مگر خالی ہاتھ نہ جاؤ بلکہ عقیدت و محبت کی نقدی لے کر جاؤ۔ ان شاء اللہ بہترین سودے لے کر آؤ گے، یار کے ملنے کے یہی بازار ہیں۔

ختم شد

بقیہ: انوارِ غوثیہ شرح الشمائل النبویہ

اور یہ حضور شفیق امت پیغمبر اسلام ﷺ کی اپنی امت پر کمال شفقت ہے ورنہ کسی کی کیا مجال ہے کہ یہ جرأت کر سکے۔

حضرت علامہ ابراہیم بن محمد البیجوری (المتوفی ۱۲۷۶ھ) ''المواہب اللدنیہ'' میں لکھتے ہیں:

و انما قصد التبرک یعنی اس صحابیؓ کا ارادہ (مہر نبوت کے چھونے سے) تبرک حاصل کرنا تھا۔

(جاری ہے)

درسِ ثانی

دِراساتُ الحسنیہ

شانِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(قرآن واحادیث کی روشنی میں)

از قطب الاقطاب شیخ القرآن والحدیث

حضرت علامہ سیدنا محمد امیر شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ

مرتب: سید محمد انور شاہ قادری

لائبریرین گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول نمبر ۳ پشاور شہر

ہمارے اس سلسلے کا یہ دوسرا درس مبارک ہے۔ پہلا درس صفر الخیر میں دیا گیا اور میں نے اس وقت عرض کیا تھا کہ ان شاء اللہ اگلا درس مبارک ربیع الاول شریف کے آخر میں ہوگا اور چونکہ یہ مبارک مہینہ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش مبارک کا ہے اس لئے ضروری ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان مبارک قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں بیان کی جائے۔

ویسے تو قرآن مجید جتنا ہے اَلحَمدُ سے لے کر وَالنَّاس تک سب کا سب شانِ مصطفیٰ ہے، عظمتِ مصطفیٰ ہے، محبتِ مصطفیٰ ہے، سیرتِ مبارکہ مصطفیٰ ہے۔ مگر اپنی بساط کے مطابق جو کچھ اپنے اساتذہ سے میں نے سنا ہے وہ میں آپ کے سامنے بیان کرنے کی سعی کروں گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ نے اپنے پاک کلام میں پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مختلف شانیں بیان فرمائیں، مختلف عظمتیں بیان فرمائیں، پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی مبارکہ کے مختلف پہلو بیان

فرمائے ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ نے پیارے محبوب ﷺ کی جو جو عظمتیں قرآن حکیم میں بیان فرمائیں ان میں ایک نہایت ہی مبارک اور بابرکت پہلو پیارے محبوب ﷺ کا علم ہے۔

علم کے معنی سیکھنا اور جاننا ہے۔ علم اس وقت تک سیکھا جاسکتا ہے، جانا جاسکتا ہے اور نہ پڑھا جاسکتا ہے جب تک کہ اس کو سکھانے والا پڑھانے والا، جاننے والا، جتوانے والا کوئی نہ ہو۔ جس لحاظ سے بھی ہو جب تک اس کا کوئی استاد نہ ہو وہ علم سیکھ نہیں سکتا۔ پھر اس استاد کا اعتبار دیکھا جاتا ہے کہ وہ استاد، وہ معلم، وہ سکھانے والا کتنا قابل ہے، کتنا دانا ہے، کتنا ہوشیار ہے۔ وہ اپنے شاگرد کو کتنا سکھا سکتا ہے، کتنا پڑھا سکتا ہے، کتنا جانوا سکتا ہے۔

آج کل کی اصطلاح میں آپ یوں سمجھ لیجیے کہ آپ دسویں میں پڑھ رہے ہیں، آپ کو وہاں کے قابل استاد ملیں گے۔ آپ آگے بی اے میں چلے گئے آپ کو وہاں کے قابل استاذ ملیں گے۔ آپ اس سے آگے ایم اے میں چلے گئے تو آپ کو اس معیار کے مطابق استاد ملیں گے۔

اسی طرح درسِ نظامی کے اندر ابتدائی کتب پڑھنے کیلئے آپ کو ابتدائی اساتذہ ملیں گے، انتہائی تعلیم کیلئے آپ کو انتہائی قابل اساتذہ ملیں گے۔ جوں جوں آگے پڑھتے جائیں گے صاحبِ علم اساتذہ آپ کو ملتے جائیں گے۔ اگر صاحب علم اساتذہ آپ کو نہ ملیں تو آپ کا علم ادھورا ہوگا، آپ کا علم ناقص ہوگا، آپ کا علم نامکمل ہوگا۔ ہر فن میں یہی اعتبار ہے۔

صرف علم میں نہیں کتابت کے فن کو آپ لے لیجیے، کسی ہنر کو لے لیجیے، کسی پیشے کو لے لیجیے اس میں آپ کو کسی استاد کی ضرورت پڑے گی۔ حضور پاک سید دو عالم شفیع المذنبین، عالم علوم اولین و آخرین جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے عالمِ انسانیت کو علم دیا۔ اب آپ غور فرمائیں اس تھوڑی سی تمہید کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ پیارے محبوب ﷺ نے علم پڑھا پھر اس کو سکھایا اور ایسا علم سکھایا کہ قیامت تک دنیا کے علوم اس کے محتاج ہیں۔

اب سوچیے آپ! کوئی انسان، کوئی فرشتہ، کوئی مقرب سے مقرب فرشتہ، قابل سے قابل عالم، بہتر سے بہتر عالم کوئی بھی پیارے محبوب ﷺ کا استاد نہیں ہے۔ کسی کے سامنے حضور ﷺ نے زانوئے

اب تو تعجب نہیں ہے تو پھر آپ کا استاد کون؟ ہاں غور سے سنئے دوستو! ذاتِ اقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی استاد
ہے جس نے تمام علوم کو سکھایا، وہ ذاتِ اقدس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی استاد ہے جو منبعِ علم ہے۔ علم کے حاصل
کرنے میں وہ ذاتِ اقدس اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ کسی کی محتاج نہیں بلکہ سب اسی کے محتاج ہیں۔

غور کیجئے دوستو! پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو استادی بھی نصیب ہوئی تو کس کی؟ اللہ تعالیٰ جل جلالہ وعم
نوالہ کی، کتنی شان ہے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی، قرآنِ حکیم نے ارشاد فرمایا۔ پارہ ۲۷

عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى ۝ (النجم، پ ۲۷، آیت ۵) …

ترجمہ: انہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے (ترجمہ از کنزالایمان)

سکھایا اس پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نے سکھایا؟ عَلَّمَهُ بڑی قوتوں والے نے سکھایا۔ اللہ
تبارک وتعالیٰ جل جلالہ نے جہاں پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا شاگرد بنایا اور جہاں پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم
کو اپنا علم سکھایا وہاں اپنی کیا عجیب صفت ارشاد فرمائی۔ آپ غور فرمائیے فرمایا عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى ۝
بڑی قوتوں والے نے، نیک قوتوں والے نے، بڑی قوتوں والے نے، بڑی طاقتوں والے نے، بڑی
عظمتوں والے نے (بڑی شرافتوں والے نے)

پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم بھی دی تو اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ نے اور پھر کیسے سکھایا؟ اللہ
تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں وَعَلَّمَكَ اور سکھایا آپ کو، پڑھایا، تعلیم دی آپ کو، علم دیا آپ کو۔
کتنا علم دیا؟ فرمایا مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (النساء ۱۱۳) وہ سب کچھ علم دیا جو پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم
آپ نہیں جانتے تھے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ نے اتنی عطا فرمائی، اتنا شرف آپ کو نصیب ہوا تو
آپ سے بڑا عالم کوئی نہیں، آپ سے بڑا نبی کوئی نہیں، آپ سے بڑا انسان کوئی نہیں
اور اس بزرگ انسان کو، اس بزرگ نبی کو، اس بزرگ عالم کو اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ نے وہ سب
کچھ سکھا دیا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ …!

سوچنے کی بات ہے اور فکر کرنا ہے شانِ محبوب کی عظمت ہے، فرمایا کہ میرا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم
بھی ایسا ہو کہ جس کا کوئی مثل نہ ہو، میرا محبوب بھی ایسا ہو کہ علم کے اندر جس کی نظیر نہ ہو، میرا محبوب بھی ایسا

ہو کہ علم کے اندر اس کے برابر کا کوئی نہ ہو ---عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط ''آپ جو نہیں جانتے وہ سب کچھ آپ کو سکھا دیا'' اور پھر صرف یہ ہی نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ فرماتے ہیں

وَکَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا (النساء: ۱۱۳)

ترجمہ: اور اللہ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔

اور اے پیارے محبوب ﷺ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ کا آپ کو اس صفتِ علم کے ساتھ اور اس شانِ علم کے ساتھ جو ہم نواز رہے ہیں، فرمایا ''یہ ہمارا بہت بڑا فضل عظیم ہے''

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ

کتنا بڑا فضل علیم ہے اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ کا جو پیارے محبوب ﷺ کو عطا فرمایا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا--- اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن مجید پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے- آمین!

اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۙ (الرحمن: ۱-۲)

ترجمہ: رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ (ترجمہ از کنزالایمان)

رحمٰن وہ ذات مبارک ہے جس نے قرآن مجید سکھایا--- سبحان اللہ! وہاں تو فرمایا وَ عَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط جو آپ نہیں جانتے تھے سب کچھ آپ کو سکھا دیا اور یہاں فرمایا ہم نے سارا قرآن آپ کو سکھا دیا-- اللہ اکبر۔ کیا چیز عطا فرمائی؟ قرآن مجید!۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ (الرحمن: ۳) یعنی پیدا کیا ہم نے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو انسانِ کامل۔ ایسا انسان جس کے اندر کوئی نقص نہیں۔ ایسا انسان جس کے اندر کوئی عیب نہیں، ایسا انسان جس کے اندر کوئی کمی نہیں-- اللہ اکبر، اللہ اکبر!

کیونکہ اگر اس کے اندر کوئی کمی ہو تو خدا کے اندر کمی ہوگئی جس نے ناقص انسان بنایا۔ ہاں! اگر کوئی نقصان ہے تو اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے اندر پیدا ہوگا۔ تو اللہ جل جلالہ فرماتا ہے کہ جس طرح میں منزہ ہوں

پاک ہوں، بے عیب ہوں اسی طرح انسانیت کے اندر بھی میں نے جس محمد رسول اللہ ﷺ کو پیدا کیا ہے وہ بے عیب ہے، منزہ ہے، پاک ہے، ہر قسم کے عیب سے پاک ہے، ہر قسم کے نقص سے پاک ہے اسی لئے حضرت حسان نے فرمایا کہ پیارے محبوب سید دو عالم ﷺ نے منبر بچھوایا اور فرمایا کہ آؤ تعریف مصطفیٰ ﷺ بیان کرو۔ وہ آئے اور انہوں نے پہلا شعر ہی یہی پڑھا --- فرمایا!

خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ

كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَآءُ

یعنی یہ ایسا محبوب ہے جو ہر عیب سے پاک ہے، یہ ایسا محبوب ہے کہ پیدا کرنے والے نے اسے جیسے چاہا اسے پیدا کیا اور پھر صرف انسان نہیں بنایا۔

آگے فرمایا اللہ جل جلالہ نے عَلَّمَهُ الْبَيَانَ (الرحمن: ۴) یعنی ما کان وما یکون کا بیان انہیں سکھایا (کنز الایمان)۔ وہاں تو سارا علم عطاء فرمایا اور یہاں فرمایا کہ اس سارے علم کو اس سارے قرآن کو بیان کرنے والا بھی یہ ہی ہے اور کوئی نہیں۔

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللهِ

اَلصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا نَبِيَّ اللهِ

کیا شان ہے پیارے محبوب ﷺ کی مگر! پیارے محبوب ﷺ کی شان کا علم میرے دوستو! ہمیں تب معلوم ہوگا جب ہم قرآن مجید کو پڑھیں گے کیونکہ قرآن حضور ﷺ کا کلام نہیں۔ بات پر غور فرمائیں، قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، حضور ﷺ کا کلام نہیں، قرآن مجید اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے آپ ﷺ پر اتارا ہے۔ اس کا ہر حرف اللہ تعالیٰ جل جلالہ کا کلام ہے، پیارے محبوب ﷺ کا بنایا ہوا کلام نہیں ہے، لہٰذا آپ ﷺ خود اپنی تعریف نہیں بیان فرمارہے بلکہ اللہ تعالیٰ خود آپ کی تعریف بیان فرمارہا ہے۔

ہاں! یہ ساری تعریف اللہ تعالیٰ جل جلالہ وعز اسمہ وجل مجدہ پیارے محبوب ﷺ کی فرمارہے ہیں

اور جس نے بنایا ہے وہ جب تعریف اپنی اس پیدا کی ہوئی خوبصورتی کی کر رہا ہے تو اسے زیبا ہے۔ فرمایا!

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ (الرحمٰن: ۱-۴)

ترجمہ: رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا۔ ما کان و ما یکون کا بیان انہیں سکھایا۔ (ترجمہ از کنز الایمان)

علم سکھایا، بیان کیا قرآن مجید کا ایک ایک حرف بیان کیا اور پیارے محبوب ﷺ کو فرمایا

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ (النحل : ۴۴)

ترجمہ: اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری کہ تم لوگوں سے بیان کردو جوان کی طرف اترا اور کہیں وہ دھیان کریں۔ (ترجمہ از کنز الایمان)

فرمایا بنی نوع انسان کی ترقی کیلئے، بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے، بنی نوع انسان کے علم کے درجات کو آگے اور آگے بڑھانے کیلئے، اے پیارے محبوب ﷺ آپ اس کو کھول کھول کر بیان کرتے جائیں۔ کیا منصب ہے پیارے محبوب ﷺ کا جو قرآن حکیم بیان کرتا ہے۔

افسوس ہے آج ہم نے پیارے محبوب ﷺ کی شان کو نہیں سمجھا، اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ ہمیں پیارے محبوب ﷺ کی شان کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے---آمین!

فرمایا پیارے محبوب ﷺ نے---غور فرمایئے! تمام دنیا مٹی اور پانی میں تھی مخلوق خدا مٹی اور پانی میں تھی تو میرے سامنے پیش کی گئی۔ غور کیجئے بات پر! فرمایا مٹی اور پانی میں تھی اور میرے سامنے پیش کی گئی۔ عرضت علیَّ۔ میرے سامنے پیش کی گئی فاعلمت علم ہے۔

آپ غور کیجئے! صفت علم سے پیارے محبوب ﷺ اس وقت بھی متصف تھے جس وقت پیارے محبوب ﷺ نورانی شکل میں تھے۔ ہاں! پیارے محبوب ﷺ جس وقت نورانی شکل میں تھے اس بشری لباس میں تشریف بھی نہیں لائے تھے اس وقت بھی حضور ﷺ صفت علم سے مزین تھے۔ فرمایا میں نے جان لیا من یؤمن بی میں نے جان لیا، کون مجھ پر ایمان لائے گا۔ میں نے اس ساری مخلوق کو، کروڑہا مخلوق کو، پدم ہا مخلوق کو، ایسی مخلوق جس کا کوئی حساب نہیں میں نے پہچان لیا کون مجھ پر ایمان لائے گا۔

فرمایا میں نے پہچان لیا مَنْ یُّؤْمِنُ بِیْ کون مجھ پر ایمان لائے گا۔ وَمَنْ یَّکْفُرُ بِیْ اور کون ان میں میرا کافر ہوگا --- اللہ اکبر۔ فرمایا میں نے پہچان لیا کون ایمان لائے گا اور کون کافر ہوگا اس وقت جب کچھ بھی نہیں تھا۔ پیارے محبوب ﷺ نے صفت علم کا اظہار اُس وقت فرمایا۔

پیارے محبوب ﷺ نے جب اس حدیث مبارکہ کو ارشاد فرمایا تو کچھ کج فہم (منافق) کہنے لگے ''ہم تو حضور ﷺ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے، حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، حضور ﷺ کے ساتھ تبلیغ کرتے تھے، حضور کے ساتھ جہاد پر بھی کبھی جاتے تھے مگر تھے کیا؟ ہمارا تو اندر والا انسان مسلمان نہیں تھا، ہم تو منافق تھے۔''

انہوں نے کہا آپ ﷺ عجیب بات فرما رہے ہیں، ہم آپ کے پہلو میں بیٹھے ہوئے ہیں، ہم آپ کے پیچھے نمازیں پڑھتے ہیں، ہم آپ کے ساتھ روزے رکھتے ہیں، ہم تبلیغ کرتے ہیں حالانکہ ہم منافق ہیں۔ ہمارا اندر والا خراب ہے۔ لیکن حضور ہم کو نہیں پہچانتے۔ اور دوسری طرف آپ ﷺ فرما رہے ہیں کہ میں نے پہچان لیا مَنْ یُّؤْمِنُ بِیْ کون مجھ پر ایمان لائے گا۔ وَمَنْ یَّکْفُرُ بِیْ اور کون ان میں میرا کافر ہوگا۔ مگر آپ ﷺ نے ہمارے متعلق کبھی نہیں کہا کہ یہ منافق ہیں۔

یہ منافق حضور نبی کریم ﷺ کے علم والی اس حدیث شریف کو چیلنج کرتے ہوئے ہرزہ سرائی کرتے ہیں کہ پیارے محبوب ﷺ ایک ایسے وقت کی بات کرتے ہیں جب نہ چاند تھا، نہ سورج تھا، نہ آسمان تھا، نہ ستارے تھے، کوئی چیز تھی ہی نہیں اور فرماتے ہیں کہ اس وقت مخلوق میرے سامنے پیش ہوئی میں نے جانا کہ کون کافر ہے اور کون مسلمان؟

احادیث مبارکہ میں آتا ہے، مفسرین نے لکھا ہے منافقوں کی یہ بات جب پیارے محبوب ﷺ کو پہنچی تو آپ ﷺ نے منبر بچھایا، منبر کے اوپر حضور تشریف فرما ہوئے --- وَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی پیارے محبوب ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان فرمائی، تعریف اللہ تعالیٰ کی فرمائی اور بیان فرمانے کے بعد پیارے محبوب ﷺ نے فرمایا! کیا تم میرے علم میں بات کرتے ہو؟ کیا تم میرے علم میں بات کرتے ہو، گفتگو کرتے ہو؟ فرمایا پیارے محبوب ﷺ نے کہ میں اس وقت اس منبر پر بیٹھا ہوا ہوں، فرمایا آؤ مجھ سے

پوچھو---مَا کَانَ وَمَا ھُوَ کَائِنٌ---فرمایا جو ہو چکا اور جو ہونے والا ہے قیامت تک، سب پوچھو کہ میں تمہیں بتادوں---اللہ اکبر!

آپ غور فرمائیے اب! حضور پاک ﷺ کی صفتِ علم پر جس کو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اپنے الفاظ میں فرمایا

وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط وَکَانَ فَضْلُ اللہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا (النساء: ۱۱۳)

ترجمہ: اور تمہیں سکھادیا جو کچھ آپ نہ جانتے تھے۔ اور اللہ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔

اور یہ فرمانے کے بعد حضرت امام الاولیاء علی المرتضیٰ سند الاتقیاء کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو آواز دی کہ ادھر آؤ! شیر خدا آئے، آپ نے فرمایا اس منافق کو مسجد سے نکال دو۔ ایک ایک کا نام لے کر حضور نے بتایا کہ منافقوں کو مسجد سے نکال دو۔ پھر پیارے محبوب نے تین بار فرمایا

''کیا اب بھی تم باز آؤ گے کہ نہیں میرے علم میں طعن کرنے سے''

معلوم ہوا کہ پیارے محبوب ﷺ کی شان علم میں جو گفتگو کرتے ہیں وہ منافق ہیں، وہ مومن نہیں، سچے مسلمان نہیں، یہ دعوے کے مسلمان ہیں، یہ منافق ہیں۔ قرآن حکیم کی سورۃ منافقون میں پوری سورۃ مبارک اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے بیان فرمائی۔ ان شاء اللہ! کسی درس میں اس عنوان کے تحت کہ ''منافق قرآن کی روشنی میں'' بیان کروں گا۔ قرآن مجید کی آیتیں جن میں منافقوں کی تعریف ہے، وہ آپ کو بتاؤں گا کہ یہ منافق کون لوگ ہیں---اللہ جل جلالہ ان سے ہمیں بچائے!

پہلی علامت منافقوں کی ہے کہ پیارے محبوب ﷺ کی شان کو نہیں مانتے، یہ گستاخ شانِ مصطفیٰ ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ فرماتا ہے اے پیارے محبوب ﷺ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں'' اِنَّکَ لَرَسُوْلُہٗ۔ اللہ تعالیٰ شہادت دیتا ہے اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے وَاللہُ یَشْھَدُ کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَکٰذِبُوْنَ مگر یہ منافق جھوٹے ہیں، یہ منافق کاذب ہیں، تو ان منافقوں نے یہ بات کہی، پیارے محبوب ﷺ صفتِ علم سے متصف تھے، اللہ جل جلالہ نے آپ کو سارا علم عطا فرمایا تھا، لہٰذا آپ نے نشاندہی فرمائی اور تین بار آپ نے فرمایا! جناب سیدنا امیر المومنین خلیفہ ثانی

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے۔ فبرک آتا ہے الفاظ مبارک میں، گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے۔ اتنی ہیبت آپ پہ طاری تھی، پیارے محبوب کی عظمت کا اتنا غلبہ آپ پر تھا۔ فرماتے ہیں آپ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے جیسے اونٹ اٹھتا ہے، گھٹنوں کے بل، اس طرح کھڑے ہو کر عرض کرتے ہیں:

رَضِینَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَ بِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا

اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہیں اور اسلام کے دین ہونے پر راضی ہیں، اور ہم قرآن حکیم کے امام ہونے پر راضی ہیں، اور فرمایا ہم آپ کے نبی ہونے پر راضی ہیں۔

نبی کہتے ہی ہیں غیب کی خبریں دینے والے کو۔ نبی کے معنی کیا ہیں؟ نبی کے معنی ہیں بن دیکھے بن سنے بن سمجھے باتیں بتانے والا۔ اور پھر پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب اس کے بعد میرے علم میں گفتگو نہ کرنا۔ تو پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے صفتِ علم سے نوازا تھا۔ اور اسی قرآن مجید کی آیات میں آپ کے سامنے پیش کرتا جاؤں حضور کے علم مبارک پہ تو آپ حیران ہو جائیں گے کہ اللہ جل جلالہ نے کون کون سے علوم مبارکہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نوازا تھا۔

(جاری ہے)

قطعہ

سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ

احد جد دتی وکھالی، از خود ہویا فانی ہو
قرب وصال، مقام نہ منزل، ناں اوتھے جسم نہ جانی ہو
نہ اوتھے عشق محبت کائی، نہ اوتھے کوئی مکانی ہو
عینوں عین تھیوسی باہو، سرِّ وحدت سبحانی ہو

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فدا خالد دہلوی

شہ دیں کی طلب میں زندگی محسوس ہوتی ہے
جہاں تک دیکھتا ہوں، روشنی محسوس ہوتی ہے

ابھی ٹوٹا نہیں ہے سلسلہ ان کی توجہ کا
ابھی تو میری آنکھوں میں نمی محسوس ہوتی ہے

کلیجے سے لگا رکھا ہے غم میں نے شہ دیں کا
کہ اس غم میں حیاتِ دائمی محسوس ہوتی ہے

کرم شیوہ ہے ان کا وہ کرم فرمائیں گے لیکن
مجھے اپنی محبت میں کمی محسوس ہوتی ہے

یہ کس محفل میں لے آیا میرا ذوقِ طلب مجھ کو
یہاں تو زندگی ہی زندگی محسوس ہوتی ہے

مدینے کی فضائیں کیف آگیں، روح پرور ہیں
سرور آنکھوں میں دل میں سرخوشی محسوس ہوتی ہے

یہاں تک راس آئی ہے محبت سرورِ دیں کی
فداؔ آنسو بہا کر بھی خوشی محسوس ہوتی ہے

قسط نمبر ۴

روحِ اسلام (تصوف)

حضرت قبلہ ڈاکٹر محمد عطاء اللہ قادری جلوی رحمۃ اللہ علیہ

فنا سے مراد نہ تو اتحاد ہے (خدا اور بندے کا) نہ حلول ہے (بندے کا خدا میں) اور نہ صیر ورت ہے (بندے کا خدا ہو جانا)۔ کیونکہ ان سب میں دو وجود ثابت ہوتے ہیں حالانکہ وجود ایک ہے۔ پس فنا وحدتِ وجود کا یقینی علم اور حال ہے۔ بندے اور خدا کے درمیان یہ وحدت تو پہلے سے ہی موجود ہے مگر بندہ کو اس کا علم اور حال نہیں۔ بندہ اسی وجودِ حقیقی کی ایک شان ہے نہ تو یہ کل کا جزو ہے کہ جزو کا کل میں فنا ہے۔ نہ یہ ادنیٰ ہے کہ اعلیٰ میں فنا ہو (حلول) کیونکہ اس کی شان ادنیٰ یا اسفل کیسے ہو سکتی ہے۔ نہ اس سے علیحدہ ہے کہ اس سے متحد ہو (اتحاد) یا اسفل اور کمینہ ہے کہ بدل کر اعلیٰ اور اشرف بن جائے (صیر ورت) کیونکہ اس کی شان ویسے ہی اعلیٰ اور اشرف ہے جیسے اس کی ذات۔

حق تعالیٰ کی شان اس کی ذات کی غیر کیسے ہو سکتی ہے بلکہ حق تعالیٰ ہی اس کی ہویت اور حقیقت ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا "فھو ھویتہ و حقیقتہ" یعنی وہی حق تعالیٰ ہی بندے کی ہویت ہوتی اور حقیقت ہے جیسا کہ حدیث قدسی ہے الانسان مرآۃ الرحمن یعنی انسان رحمٰن کا آئینہ یا مظہر ہے۔

پس فنا غیریت بلکہ وہم غیریت سے فنا ہے اور بقا عینیت کا یقینی علم، مشاہدہ و حال ہے اسی لئے حضرت شیخ پیر غلام محمد صاحب قادری المعروف بہ امام جلوی رحمۃ اللہ علیہ سے جب فنا اور بقا کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا "فنا یہ ہے کہ غیر سے نظر اٹھ جائے اور بقا یہ ہے کہ عین پر نظر جم جائے۔"

کمال ہے کہ آپ نے جس طرح تصوف کے مسئلہ فنا و بقا کو ایک جامع جملہ میں بیان فرما دیا ہے۔ بحر بیکراں کو ایک کوزہ میں بند کرنے کے مترادف ہے۔ سبحان اللہ اس فرمان عالی کا مطلب دراصل یہ ہے کہ فی الحقیقت غیر ہے ہی نہیں غیر کا وجود ہی نہیں، غیر عدم محض ہے۔

کجا غیر کو غیر کو نقش غیر

سوی اللہ واللہ ما فی الوجود

یعنی غیر نہیں ہے بلکہ غیر کا نشان تک نہیں ہے، اللہ کی قسم وجود میں اللہ کے سوا اور کوئی وجود نہیں۔

اسلئے حضرت شیخ ابوبکر شبلی قدس سرہ' خلیفہ اعظم حضرت سید الطائفہ شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

التصوف شرک لا نھا صیانۃ القلب عن رویتہ الغیر ولا غیر

یعنی تصوف شرک ہے کیونکہ وہ دل کو غیر کے دیکھنے سے محفوظ رکھنا ہے حالانکہ غیر نہیں ہے۔

اور آپ نے فرمایا الصوفی لا یریٰ فی الدارین مع اللہ غیر اللہ یعنی صوفی وہ ہے جو دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر اللہ کو نہیں دیکھتا۔ اور آپ کی وفات کے وقت لوگوں نے کہا لَا اِلٰہَ اِلاَّ اللہُ کہو۔ فرمایا جب غیر کا جود ہی نہیں نفی کس کی کروں۔ لوگوں نے کہا کلمہ کے بغیر چارہ نہیں، فرمایا ''بادشاہِ محبت فرماتا ہے، رشوت قبول نہیں کرتا۔'' اس کے بعد ایک شخص نے بلند آواز سے کلمہ پڑھا، فرمایا ''تعجب ہے کہ مردہ زندہ کو تلقین کرتا ہے۔'' تھوڑی دیر بعد لوگوں نے پوچھا کیا حال ہے؟ فرمایا کہ محبوب تک پہنچ گیا ہوں اور جان بحق تسلیم ہوئے --- اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اور حضرت ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ بن ابوذر نے اپنی کتاب ''منہاج الدین'' میں حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ اشعار علم تصوف کے متعلق نقل کئے ہیں

علم التصوف علم لا نفاذ لہ

علم سنی سماوی ربوبی

تصوف کے اسی معنی میں حضرت احمد خضرویہ قدس سرہ فرماتے ہیں کہ سب سے افضل عمل دل کو ماسواء اللہ سے محفوظ رکھنا ہے۔ حضرت جعفر جلدی قدس سرہ' فرماتے ہیں کہ ایک رات میں نے خواب میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر عرض کیا کہ تصوف کیا ہے؟ فرمایا'' وہ حال جس میں عین ربوبیت ظاہر ہوتی ہے اور عین عبودیت مضمحل ہو جاتی ہے۔'' اور فرمایا کہ تصوف کے معنی نفس کو عبودیت میں ڈال دینے

کے ہیں اور بشریت سے جدا ہو کر محض خدا پر نظر رکھنے کے ہیں۔

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ عارف کا ادنیٰ ترین فرض یہ ہے کہ جملہ ماسواء سے بیزار ہو جائے اور اگر اس کی دوستی میں کائنات کو بھی ترک کر دے تو تھوڑا ہے۔ اور فرمایا کہ عارف وصال الٰہی کے سوا اور کسی بات سے خوش نہیں ہوتا۔ حضرت شاہ منصور حلاج قدس سرہ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جو ماسوی اللہ سے بے نیاز ہو۔ جب آپ کو دار پر لے گئے تو حضرت ابوبکر شبلی قدس سرہ نے پوچھا تصوف کیا ہے؟ فرمایا کہ کمتر درجہ تم دیکھ رہے ہوں۔ پوچھا اعلیٰ درجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ وہاں تک تمہاری رسائی نہیں ہو سکتی۔

حضرت ابوالحسن خرقانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے دل میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور چیز ہے تو اگر وہ سراپا طاعت بھی ہو تو پھر بھی مردہ دل ہے۔ حضرت ابوالحسین علی بن ابراہیم الحصری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو محض حق تعالیٰ سے ہی آرام پائے۔ تمام امور کو خدا کے سپرد کر دے اور ماسوئ اللہ کی طرف توجہ نہ کرے۔

حضرت ابوعثمان سعید بن اسلام المغربی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ تصوف کے معنی تمام علائق کے قطعی طور پر قطع کر دینے کے ہیں۔ خلق کو چھوڑ دینا اور حقائق سے متصل ہو جانا ہے۔

حضرت ابوالعباس السیاری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ توحید یہ ہے کہ ماسوئ کا خیال تک دل میں نہ آئے۔

صوفیاء کرام قدس اسرارہم کا یہ وہ گروہ ہے جن کے نزدیک تصوف سے مراد فراغت عن ماسوئ اللہ ہے اور صوفی وہ ہے جو فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہو۔ یا فانی عن ماسوا اللہ و باقی فی اللہ ہو۔ جیسا کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تصوف کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے تیرے وجود سے فانی اور اپنے وجود میں باقی کر دے۔ اس حال کے متعلق حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "اللہ ذوق ہے" اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کی تعریف ہی "ذوق" کی ہے۔

دوسرا گروہ ان صوفیاء کرام قدس اللہ اسرارہم کا ہے جن کے نزدیک اس مقام عالی کے حصول کیلئے

اللہ تعالیٰ سے شدید محبت یعنی عشق کو تصوف قرار دیا ہے۔ مثلاً حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ عشق الٰہی نے ماسواء کو دور کر دیا اور اس کا نشان تک باقی نہ رہنے دیا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرح یگانہ نہ ہو گیا۔ جب مقام قرب تک پہنچا تو حکم ہوا مانگ کیا مانگتا ہے؟ میں نے کہا میری کوئی خواہش نہیں بجز اس کے کہ تجھ کو حاصل کروں۔ جواب ملا جب تک بایزید کا وجود ذرہ بھر بھی درمیان میں ہے یہ خواہش پوری نہ ہو سکے گی۔ اپنے نفس کو چھوڑ دو اور آؤ۔ پھر فرمایا کہ میں نے تمام ہاتھوں سے خدا کو ڈھونڈا مگر جب تک بلا کے ہاتھ سے نہ ڈھونڈا نہ ملا۔ تمام قدموں سے اس کی راہ میں گیا مگر جب تک دل کے قدموں سے نہ گیا منزل تک نہ پہنچ سکا۔ میں تیس سال سے کہتا رہا خداوندا ایسا کر، ویسا کر۔ جب معرفت کے پہلے قدم پر پہنچا تو اس نے کہا تو میرا بن جا اور جو چاہے سو کر۔ میں نے ایک بار اس کی بارگاہ میں مناجات کی اور عرض کیا کیسے تیرے تک رسائی ہو؟ آواز آئی پہلے اپنے آپ کو تین طلاق دے پھر ہمارا نام لے۔ فرماتے ہیں کہ سانپ کی کینچلی اتارنے کی مانند جب میں بایزید سے نکلا تو دیکھا عاشق و معشوق ایک ہی ہیں۔ کیونکہ توحید کے عالم میں ایک ہی کو دیکھا جا سکتا ہے۔ فرمایا کہ عارف کا حال یہ ہے کہ وہ محبت میں جلتا ہو۔ محبت کا ایک ذرہ بہشت کے ہزار محلات سے بہتر ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ فرض کیا ہے اور سنت کیا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کی محبت فرض ہے اور ترکِ دنیا سنت۔ اسی لئے کسی بزرگ کا قول ہے کہ صوفی دنیا میں ہے دنیا سے نہیں۔

حضرت سمنون محبؒ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت راہِ خدا کی اصل ہے۔ احوال و مقامات بلحاظ محبت ہی ہوتے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا محبؒ کو بلا میں کیوں رکھا گیا؟ فرمایا تا کہ ہر کمینہ آدمی اس کی محبت کا دعویٰ نہ کرے کیونکہ بلا دیکھ کر وہ پست ہو جائے گا۔

تصوف میں حب الٰہی کا اضافہ اور زہد میں محبت کی آمیزش دوسری صدی ہجری کی مشہور و معروف ہستی حضرت رابعہ عدویہ بصری رحمت اللہ علیہا کی طرف منسوب ہے۔ آپ نے تصوف کے گلشن میں حب الٰہی کی نغمہ سرائی نثر اور نظم میں کی اور آپ کے اقوال و ارشادات اس موضوع پر بہت ہیں۔ مثلاً آپ کا قول ہے کہ خدا کی عبادت صرف خدا کی خوشنودی کیلئے کرنی چاہئے۔ جنت کے لالچ کیلئے عبادت کرنا

تجارت ہے عبادت نہیں۔ آپ اپنے اشعار میں فرماتی ہیں "اے اللہ میں تجھ سے محبت کرتی ہوں۔ دو طرح کی محبت۔ ایک محبت آرزو اور تمنا کی اور دوسری صرف تیری ذات کی۔ میری وہ محبت جو تمنا اور آرزو کی ہے وہ تو کوئی اہمیت نہیں رکھتی لیکن وہ محبت جو صرف تیری ذات سے ہے تو اسی کا واسطہ حجاب دور کر دے تا کہ آنکھیں تیرا جلوہ دیکھ سکیں۔"

اور آپ محبت کے متعلق مزید فرماتی ہیں کہ وہ ازل سے آئی ہے ابد کو جائے گی اور تمام کائنات میں کسی نے اس کا ایک گھونٹ تک نہیں پیا اور بالآخر وہ حق تعالیٰ ہی کے پاس پہنچ گئی اور آواز آئی "یحبونھم و یحبونہ" حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کی نشانی یہ ہے کہ وہ ہر چیز ترک کر دی جائے جو حق تعالیٰ سے ذرہ برابر بھی روکتی ہو۔ یہاں تک کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات رہ جائے اور اسی کے ذکر، شغل اور مشاہدہ میں مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنے والوں کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اگر ان کو آگ میں بھی ڈال دیا جائے تو ان کی ہمت میں ذرہ بھر بھی کمی نہ آئے کیونکہ وہ حق تعالیٰ کے مونس ہیں اور فرمایا کہ جو چیز حق تعالیٰ سے غافل کر دے وہی دنیا ہے۔ چنانچہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

چیست دنیا از خدا غافل بودن

نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

یعنی خدا سے غافل ہونا دنیا ہے۔ نہ کہ حلال روزی کمانا، پیسہ روپیہ، اولاد و عورت (یعنی بیوی)۔

حضرت احمد خضرویہ قدس سرہ محبت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ دونوں عالم میں کوئی چیز محبوب (یعنی حق تعالیٰ) سے زیادہ باعظمت دکھائی نہ دے اور نہ ہی سمجھے اور سوا خدمت محبوب (یعنی طاعت و ریاضت) کے اور کوئی خواہش اس کے دل میں نہ ہو کیونکہ محبت کرنے والا دنیا و آخرت کی عزت خدمت محبوب میں دیکھتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا کون سا عمل سب سے زیادہ افضل ہے، فرمایا "دل کو ماسواء اللہ سے محفوظ رکھنا۔"

حضرت شاہ منصور حلاج قدس اللہ سرہ کو جب دار پر لا کھڑا کیا گیا، ہزاروں لوگ جمع تھے۔ آپ

آنکھ اٹھا کر دیکھتے اور حق، حق، حق اور انا الحق کا نعرہ لگاتے۔ اسی حال میں ایک درویش نے پوچھا کہ عشق کیا ہے؟ فرمایا ''آج کل اور پرسوں دیکھ لوگے۔ چنانچہ آپ کو سولی پر لٹکایا گیا، دوسرے دن آپ کی نعش مبارک جلائی گئی اور تیسرے دن خاک مبارک کو ہوا میں اڑا دیا گیا۔ (ایک روایت میں ہے کہ دریائے دجلہ میں ڈال دیا گیا)۔

حضرت ابوبکر شبلی قدس سرہ' محبت کے متعلق فرماتے ہیں کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے سب محبوب کی راہ میں لٹا دے۔ جو شخص محبت کا دعویٰ کرے اور محبوب کے علاوہ کسی دوسری چیز کی طرف دھیان دے وہ محبوب کا مذاق اڑاتا ہے۔

حضرت ابوعلی احمد محمد الرود بادیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ صوف پہن کر جور و جفا کا تختہ مشق بنو اور دنیا کو پس پشت ڈال دو اور فرمایا کہ دوست کے دروازے پر سر رکھ دیا جائے اور اگر دن میں سو مرتبہ بھی وہاں سے نکالا جائے تو وہاں سے ہرگز ہٹنے کا نام نہ لے۔ پھر فرمایا کہ محبت یہ ہے کہ قطعی طور پر اپنے آپ کو محبوب کے حوالے کر دو اور اپنے پاس کچھ نہ رکھو اور حضرت معروف کرخی قدس سرہ' کے نزدیک محبت عطا و فضل خداوندی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کسی کو اپنا دوست بناتا ہے تو اس کو تین خصلتیں عطا فرماتا ہے: سمندر جیسی سخاوت، زمین جیسی عاجزی و تواضع اور آفتاب جیسی شفقت اور فرمایا کہ عارف وصالِ الٰہی کے سوا اور کسی چیز سے خوش نہیں ہوتا اور درویش کے متعلق فرمایا کہ آخرت کے خزانہ میں ایک موتی ہے جس کو محبت کہتے ہیں جس کو وہ موتی مل گیا وہ درویش ہے۔

آپ سے پوچھا گیا کہ مردوں کا آخر کون سا کام ہے؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی سے دل نہ لگائیں۔ فرماتے ہیں کہ میں خیال کرتا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہوں لیکن جب غور کیا تو معلوم ہوا کہ وہ پہلے ہی سے مجھ سے محبت کرتا تھا۔

حضرت جنید بغدادی قدس اللہ سرہ' فرماتے ہیں کہ خدا کی محبت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف رغبت اس قدر بڑھ جائے کہ اپنے آپ سے فنا ہو جائے۔ اور فرمایا کہ عبودیت کی دو خصلتیں ہیں: ایک یہ کہ ظاہر

اور باطن میں ہر طرح خدا کی رضا پر راضی رہنا اور دوسری یہ کہ جناب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی پوری محبت کے ساتھ متابعت کرنا ہے۔

حضرت عمر بن عثمان مکی قدس سرہ' کتاب محبت میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جان کو دل سے سات ہزار سال پہلے خلق کر کے پانچ عنصر میں رکھا اور سِرّ کو جان سے ساتھ ہزار سال پہلے پیدا کر کے درجہ وصل میں رکھا اور روزانہ تین سو ساٹھ مرتبہ کرامت کی نظر سے دیکھا اور ۔انوں کو ملمات محبت سنائے اور تین سو ساٹھ لطائف ان کے دلوں پر ظاہر کئے اور تین سو ساٹھ مرتبہ تجلی فرمائی۔ یہاں تک کہ عالم میں انہوں نے نگاہ کی اور اپنے سے بہتر کسی کو نہ پایا۔ تب اللہ تعالیٰ نے امتحان لیا۔ سِرّ کو جان میں اور جان کو دل میں اور دل کو بدن میں محبوس کیا۔ پھر ان میں عقل ڈالی اور انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیج کر احکام سنائے۔ پھر وہ شخص اپ اپنے کام کا جویا ہوا۔ تب حق تعالیٰ نے نماز کا حکم دیا تو بدن نماز میں مشغول ہوئے۔ دل محبت میں جان قربت تک پہنچی اور سِرّ نے وصل سے آرام کیا۔

حضرت خواص قدس سرہ' فرماتے ہیں کہ محبت کے معنی ارادہ کے محو ہو جانے کے ہیں اور تمام صفات اور حاجات کا جل جانا ہے۔ یعنی اپنے آپ کی نفی ہے یعنی فنا ہے۔ اسی لئے حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صوفی وہ ہے جو ہر طرح کی ''انا'' کو ترک کر دے، وہ ''میرا'' اور ''میری جان'' اور ''میری ملکیت'' کے الفاظ استعمال نہیں کرتا یعنی میں نہیں، سب تو ہی تو۔ یا من نیم اوست یعنی میں نہیں وہی حق تعالیٰ ہی ہے۔ اسی لئے سلوک میں ایک شغل ہے

کن بدیں گونہ تصور دم بدم
من نیم، یار است از سر تا قدم

یعنی ہر وقت یہ تصور رکھو کہ سر تا قدم میں نہیں ہوں بلکہ یار ہے کیونکہ محبت قربانی مانگتی ہے۔ محبت محب میں فنا ہو جانے کا مطالبہ کرتی ہے۔ اپنا سب کچھ محبوب کے قدموں میں ڈال دے، اپنی جان، اپنا مال بلکہ اپنا سب کچھ محبوب پر قربان کر دے۔ چنانچہ صوفیاء کرام قدس اللہ سرہم کا تیسرا گروہ ہے جو فرماتے ہیں کہ تصوف قربانی، طاعت، زہد اور ریاضت کا نام ہے۔ عشق مجازی ہو یا حقیقی قربانی مانگتا ہے اور محبوب جتنا

عالی مرتبہ ہوگا قربانی بھی اتنی ہی بڑی دینی ہوگی۔ جناب پیرانِ پیر حضرت شیخ سید عبدالقادر جیلانی ؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص جناب رسول خدا ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ مجھے آنجناب ﷺ سے محبت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ فقر کو چادر بنانے کیلئے تیار رہ اور ایک دوسرے شخص نے عرض کی میں اللہ تعالیٰ کو محبوب رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا بلا کی چادر تیار کر لے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ورسول کریم ﷺ کی محبت میں بلا اور فقر کی برداشت لازمی ہے۔ پھر فرمایا کہ محبت کی شرط یہ ہے کہ محبوب کے ارادہ کے ساتھ تمہارا ارادہ نہ رہے۔ دنیا، آخرت اور مخلوق سے قطع تعلق ہو جائے۔

آپ ؒ فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا احبوا اللہ مما یغذیکم من نعمة و احبونی یحب اللہ عز و جل لی یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کیونکہ وہ تمہیں نعمتیں عطا فرماتا ہے اور مجھ سے محبت کرو کیونکہ اللہ عز وجل مجھ سے محبت فرماتا ہے۔

پس ان اقوال مقدس سے یہ معلوم ہوا کہ تصوف کی روح اللہ تعالیٰ سے محبت بلکہ شدید محبت ہے۔ ایسی محبت کہ جس سے ماسوئی اللہ کیلئے دل میں کوئی جگہ نہ رہے حتیٰ کہ ماسوی اللہ کا خیال تک بھی نہ آئے۔ اور محبت چونکہ قربانی مانگتی ہے اس لئے محبّ کو اپنا آرام آسائش، کھانا پینا، نیند دولت و مال، اہل وعیال، عزت آن، اپنی مرضی، آرزو وخواہشات، مخلوق سے تعلق اور محبوب چاہے تو جان تک کی قربانی دینی ہوگی اور یہ بھی طوعاً وکرہاً نہیں برضا ورغبت دی جاتی ہے۔ بلکہ اس میں خوشی اور فخر محسوس ہوتا ہے۔

اسی لئے محنت، مجاہدہ، ریاضت، فاقہ، جاگنا، تنہائی تقویٰ یعنی گناہ سے پرہیز اور پھر جملہ ماسوی اللہ سے پرہیز یعنی بچنا اور اعلیٰ اخلاق سے متخلق ہونے کے متعلق اقوالِ بزرگانِ دین ہیں مثلاً سب اس پر متفق ہیں کہ سلوک کیلئے چار بنیادی ضرورتیں ہیں: یعنی کم کھانا، کم سونا، کم بولنا اور لوگوں کے ساتھ کم میل جول رکھنا۔

گرسنگی و بیداری و خاموشی و تنہائی

حضرت غوث الاعظم ؒ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی علامات یہ ہیں کہ ان کی خوراک فاقہ ہے یعنی فاقہ کے بعد صرف ضرورت کا کھاتے ہیں۔ سونا بوجہ غلبہ نیند یعنی جب نیند کا غلبہ ہو تب تھوڑی دیر سوتے

ہیں ورنہ جاگتے رہتے ہیں اور کلام ضرورت یعنی جب ضرورت ہو تو بولتے ہیں ورنہ خاموش رہتے ہیں بلکہ فرمایا کہ جیسا کہ روز قیامت اللہ تعالیٰ کے حکم سے اعضاء بولیں گے اسی طرح وہ دنیاوی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے کلام کرتے ہیں اور خاموش رہنا انکی عادت ہے۔

آرام و آسائش کی قربانی کے متعلق مروی ہے کہ بعض بزرگوں نے حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تصوف کیا ہے؟ فرمایا کہ آرام کا دروزاہ اپنے اوپر بند کرنا اور اس کے پیچھے محنت اور ریاضت کے زانو پر بیٹھنا۔

حضرت جنید بغدادی قدس اللہ سرہٗ سے جب تصوف کے معنی پوچھے گئے تو فرمایا کہ دل کو رجوع الی الخلق سے صاف کرنا، صفاتِ بشریت کو دل سے محو کرنا، خواہشاتِ نفسانی کر ترک کرنا اور صفاتِ روحانی سے متصف ہونا۔ تمام امت کو نصیحت کرنا اور شریعت میں جناب رسالت مآب ﷺ کی پوری اور سچی متابعت کرنا۔

اور فرمایا کہ تصوف ایک غیرت ہے جس میں کسی اور کی گنجائش نہیں۔ (یعنی سوائے محبوب)۔ کسی نے پوچھا کہ صوفی کیلئے سب سے بڑی برائی کون سی ہے؟ تو فرمایا بخل، (یعنی محبوب کیلئے سب کچھ قربان کرنے میں بخل)۔

حضرت ابوالحسن النوری قدس سرہ فرماتے ہیں کہ صوفی وہ لوگ ہیں جن کی جان بشریت کی کدورت سے آزاد ہوگئی ہو۔ یہ لوگ صفِ اول اور درجہ اعلیٰ میں حق تعالیٰ کے ساتھ آرام کرتے ہیں اور اس کے غیر سے بھاگتے ہیں۔ یہ لوگ نہ مالک ہوتے ہیں نہ مملوک۔

پھر فرمایا کہ صوفی وہ ہے کہ کوئی چیز اس کی پابند نہ ہو اور نہ وہ کسی چیز کا پابند ہوتا ہے اور فرمایا کہ تصوف نہ رسم ہے اور نہ علوم بلکہ اخلاق ہے یعنی اگر رسم ہوتا تو مجاہدہ سے حاصل ہوتا، اگر علم ہوتا تو تعلیم سے حاصل ہوتا بلکہ اخلاق ہے۔ بمصداق تخلقوا باخلاق اللہ یعنی اخلاق خداوند تعالیٰ سے متخلق ہونا ہے۔

حضرت ابوعبداللہ جلہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ تصوف وہ فکر ہے جو اسباب سے علیحدہ ہو۔

حضرت ابومحمد رویم قدس سرہ فرماتے ہیں کہ تصوف تین خصلتوں پر منحصر ہے: فقر سے تعلق رکھنا،

بذل وایثار سے موصوف ہونا، اعتراض واختیار کوترک کرنا اور نیک اعمال پر قائم رہنا۔

حضرت ابراہیم بن داؤد الرقی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی کی علامت یہ ہے کہ طاعتِ خدا میں مشغول ہو اور طاعتِ نبوی ﷺ میں مصروف ہو۔

تصوف کے متعلق حضرت سمنون محب قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ نہ کوئی چیز تیری ملکیت اور نہ تو کسی کی ملکیت ہو۔

حضرت ابومحمد مرتعش قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ تصوف ایک ایسی حالت ہے جو مرد کو گفتگو سے علیحدہ کر کے خدا کے پاس پہنچا دیتی ہے اور پھر وہاں سے بھی نکلوا دیتی ہے۔

حضرت ابوالحسن بوشنگی قدس سرہٗ سے جب پوچھا گیا کہ تصوف کیا ہے؟ تو فرمایا کہ پہلے تصوف ایک حقیقت تھی اب نام ہی نام ہے۔ پھر فرمایا کہ امید اور طمع کی کمی اور عمل کا التزام تصوف ہے۔ اخلاص کے متعلق آپ نے فرمایا کہ سچا اخلاص وہ ہے جس کو کراماً کاتبین بھی نہ لکھ سکیں۔

حضرت ابوبکر کتانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ تصوف خُلق کا نام ہے۔ جس قدر زیادہ اعلیٰ کسی کا خلق ہوگا اسی قدر تصوف زیادہ ہوگا۔ اور فرمایا کہ محبت محبوب کیلئے ایثار کا نام ہے اور تصوف صفوت اور مشاہدہ کا نام ہے۔ صوفی وہ ہے جس کے نزدیک اس کی طاعت بھی گناہ ہو۔ پس استغفار کرتا رہے۔

حضرت ابوالحسن خرقانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے کہ جس کا دل اس سے چھین لیا گیا ہو۔ اس کا تن ایسا ہے جو اس سے لے لیا گیا ہو اور وہ سوختہ جان رکھتا ہو۔ صوفی کیلئے ننانوے عالم ہیں۔ ان میں ایک عالم عرش سے تحت الثریٰ تک اور مشرق سے مغرب تک ہے۔ پس باقی اٹھانوے کی وسعت کا ذکر ہی کیا۔ اور فرمایا کہ صوفی بمنزلہ دن کے ہے جس کو آفتاب کی ضرورت نہیں۔ چاندنی رات کی مانند ہے مگر چاند اور ستاروں سے بے نیاز ہے۔

حضرت ممشاد الدینوری قدس سرہٗ نے فرمایا کہ تصوف اسرار کی صفائی اور اس پر عمل ہے جس میں خدا راضی ہو اور اس کے معنی سخاوت کرنے اور اس چیز سے دستکش ہونے کے ہیں جو کام میں نہ آئے۔

(جاری ہے)

گزشتہ سے پیوستہ

ارشاداتِ غوثُ الصمدانی

سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ

مرتب: سید کامران شاہ بخاری (وڈپگہ)

اعمال کا حساب لوگو! کیا تمہارے نزدیک شریعت کی کوئی پابندی ضروری نہیں۔ تم اپنے ظاہر و باطن دونوں کے لحاظ سے اس کو چھوڑ چکے اور اپنے نفسوں اور خواہشات کی پیروی کرنے لگے اور حق تعالیٰ کے ہر روز کے حلم سے تم نے دھوکا کھایا۔ ابھی دنیا میں تم کو اس نے چھوٹ دے رکھی ہے لیکن آخرت میں ہر طرف سے تم پر عذاب نازل فرمائے گا۔ تجھ کو پکڑے گا اور گرفتار کرے گا پھر تجھ کو موت آئیگی اور قبر میں اترنا ہوگا۔ وہاں اس کی تنگی اور اس کے عذاب سے تجھ کو سابقہ پڑے گا اور قیامت تک اسی حال میں رہنا ہوگا۔ اس کے بعد تیرا جسم دوبارہ پیدا کیا جائے گا اور بڑی پیشی میں تجھ کو حاضر کیا جائے گا۔ اس وقت ذرہ ذرہ اور منٹ منٹ کے تیرے اعمال کا تجھ سے حساب لیا جائے گا۔ کم ہو یا زیادہ، ہر چیز کی باز پرس ہوگی۔

خلوص کے بغیر عمل تو بے جان پتلا ہے اور خشک کھال ہے۔ بے معنی اور بلا قوت کے۔ تو سوائے آگ کے اور کسی کام کا نہیں۔ تیری عبادت میں نام کو بھی اخلاص نہیں (اور یہی اخلاص عبادت کی جان ہے)۔ جب اس میں روح نہیں تو تیری عبادت اور تو صرف آگ کا ایندھن ہیں۔ پھر تجھے اس مشقت سے کیا فائدہ؟ اگر اعمال میں خلوص نہیں تو وہ بیکار ہیں۔ تو اس گروہ میں سے ہے جو عمل کرنے والے ہیں اور مشقت اٹھانے والے ہیں۔ یعنی دنیا میں عمل کرتے ہیں اور آخرت میں جہنم کے عذاب کا دکھ اٹھانے والے ہوں گے۔ لیکن اگر تو موت آنے سے پہلے توبہ اور معذرت کرلے اور سچا مسلمان بن کر خلوص دل

سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو جائے اس سے پہلے کہ موت آ جائے (تو نجات مل سکتی ہے)۔ توبہ کا دروازہ بند ہونے کے بعد کوئی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اپنے دل کے پاؤں سے اس کی طرف چل تاکہ اس کے فضل کا دروازہ تجھ پر بند نہ ہو اور وہ تجھ کو تیرے نفس، تیری طاقت وقوت اور تیرے مال وزر کے حوالے نہ کر دے کہ تیری کسی حالت میں برکت نہ ہو۔

توکل اور کاروبار

تجھ پر افسوس! کہ تو خدا تعالیٰ سے شرماتا نہیں اور تو نے اپنے دینار کو اپنا رب اور درہم کو اپنا سب کچھ سمجھ رکھا ہے اور خدا کو بالکل فراموش کر دیا ہے۔ تیرا انجام بہت قریب ہے۔ خدا پر بھروسہ کر کے شریعت کے مطابق اپنے بال بچوں کیلئے کاروبار کر۔ اپنا اور ان کا رزق خدا سے مانگ، مال و دکان سے نہ مانگ۔ وہ تیرا اور ان کا رزق تیرے ہی ذریعہ دے گا اور اپنا فضل وقرب اور اپنے ساتھ انس تیرے دل کو عطا فرمائے گا۔ تیرے بیوی بچوں کو تجھ سے اور تجھے اپنی ذات سے بے نیاز کر دے گا اور ان کو جس طرح اور جس چیز سے چاہے گا غنی کر دے گا اور تیرے دل سے کہہ دیا جائے گا کہ یہ (ماسوا سے بے نیازی) تیرے لئے اور یہ (مال وزر کی فراوانی) تیرے بیوی بچوں کیلئے ہے۔ تو جب تمام عمر شرک میں مبتلا، محجوب اور راندۂ درگاہ رہا تو اس مرتبہ کو کہاں پا سکتا ہے؟ دنیا اور اس کے کمینے لوگ سے تیرا دل ہی نہیں بھرتا۔ اپنے دل کا دروازہ بند کر کے ذکر الٰہی کے سوا سب کو اس میں داخل ہونے سے روک دے۔ اپنی بداعمالیوں سے بار بار توبہ کر۔ اپنی بے باکی اور بے ادبی پر شرمندہ ہو اور جو کچھ ہو چکا اس پر بکثرت رو اور اپنے کچھ مال سے فقیروں کی دل جوئی کر۔ بخل نہ کر کہ عنقریب اپنا مال چھوڑ جائے گا۔ بندۂ مومن جس کو دنیا و آخرت میں صدقے کا بدلہ ملنے کا یقین ہوتا ہے وہ اس میں کنجوسی نہیں کرتا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شیطان سے سوال

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے ابلیس سے پوچھا "مخلوق میں سب سے زیادہ تیرا محبوب کون ہے؟" جواب دیا "بخیل مومن" پھر فرمایا "سب سے بڑا دشمن کون ہے؟" اس نے کہا "گنہگار سخی" آپ نے پوچھا "اس کا سبب؟" ابلیس نے کہا "کنجوس مسلمان سے مجھے امید رہتی ہے کہ اس کا بخل ضرور اس کو گناہ میں مبتلا کر دے گا (اور میرا

مقصد بر آئے گا) اور گنہگار سختی سے ڈر لگتا ہے کہ سخاوت کے باعث اس کے گناہ ضرور معاف کر دیئے جائیں گے (اور میرا ادا و خالی جائے گا)۔

مومن کی آرزو دنیا سے دنیا کی ضرورت کے مطابق سروکار رکھ۔ شریعت نے کمائی کو صرف اس لئے جائز کر دیا ہے کہ اس سے اطاعت الٰہی میں مدد لی جائے (کیونکہ کھائے پیئے بغیر عبادت نہیں ہو سکتی) لیکن تو جب کمائی کرتا ہے تو اس سے معصیت میں مدد حاصل کرتا ہے۔ نماز اور تمام نیک کام ترک کر دیتا ہے، زکوٰۃ نہیں نکالتا۔ پس تو سراسر گناہ میں مبتلا ہے، طاعت میں مصروف نہیں۔ تیری کمائی گویا دائم رہنی ہے۔ عنقریب موت آ جائے گی پس مومن تو اس سے خوش ہوگا اور کافر و منافق اس سے مغموم۔

جناب نبی کریم ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا ''بندہ مومن مرتے وقت حق تعالیٰ کی عنایتیں دیکھ کر تمنا کرتا ہے کہ کاش ایک گھڑی کے سوا دنیا میں نہ رہتا۔'' اپنی توبہ پر قائم رہنے والے تائب کہاں ہیں؟ اپنے رب سے وہ شرمانے والے کہاں ہیں جو اپنی ساری حالتوں میں اس کو پیش نظر رکھیں؟ کہاں ہیں اپنی خلوت و جلوت دونوں حالتوں میں حرام سے بچنے والے اور کہاں ہیں اپنے بدن اور قلب کی نظر نیچی رکھنے والے؟ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''آنکھیں بھی زنا کیا کرتی ہیں اور ان کا زنا نامحرموں کو دیکھنا ہے۔'' تیری آنکھیں نامحرم عورتوں اور لڑکوں کو دیکھ کر اکثر زنا کی مرتکب ہوتی ہیں۔ کیا تو نے خدا تعالیٰ کا ارشاد نہیں سنا ''کہہ دو (اے نبی) مومنوں سے کہ اپنی نگاہوں کو نیچی رکھیں۔''

مفلسی میں صبر اے فقیر! اپنی مفلسی پر صبر کر کہ دنیا کا افلاس ختم ہو جائے گا۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا ''دنیا کی تلخی کا گھونٹ آخرت کی لذت کیلئے پی جا۔''

تو نہیں جان سکتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ (خدا کے نزدیک) تیرا کیا نام ہے بدنصیب لکھا ہے یا خوش نصیب؟ ظاہر ہے کہ یہ صرف خدا ہی کو معلوم ہے کہ کسی کی قسمت میں کیا ہے؟ لیکن تقدیر کی آڑ لے کر (کہ جب تقدیر میں سب کچھ لکھا جا چکا ہے تو عمل بے معنی ہے) نڈر نہ ہو اور شرعی حد سے نہ نکل۔ تجھے جن باتوں کا حکم ہے انہیں بجا لانے کی کوشش کر۔ تجھ پر تقدیر کی ذمہ داری نہیں۔ وہ ایک ایسی چیز ہے جسے نہ تو

جانتا ہے نہ کوئی اور، یہ تو علم غیب کی باتیں ہیں۔

اولیاء کا دنیا سے تعلق اہل اللہ نے دنیا سے بستر ابوریا باندھ لیا اور اس سے یکسو ہو کر اپنے آقا کے حضور میں کھڑے ہو گئے اور اس کے خادموں کے ساتھ خود بھی خدمت میں مشغول ہو گئے۔ وہ آخرت کیلئے دنیا لیتے ہیں، مزے اڑانے کو نہیں لیتے بلکہ یہ بھی بضرورت کرتے ہیں تاکہ (کچھ کھا پی کر اپنے جسم کو عبادت کیلئے قائم رکھ سکیں اور نکاح کر کے) اپنی شرم گاہ کو شیطان کے مکروفریب سے بچا سکیں۔ اس میں بھی اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل اور اپنے نبی ﷺ کی سنت کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کے سارے کام احکامات کی تعمیل اور سنت کی اتباع کیلئے ہوتے ہیں (ورنہ) ان کو تمام چیزوں میں بلند ہمتی اور کامل زہد حاصل ہے۔ اے اللہ! ہم کو بھی انہیں میں سے بنا دے اور ان کی برکتیں ہم پر نازل فرما--- آمین!

مقصودِ عارف اے عزیز! جب تک تیرے دل میں دنیا کی محبت ہے صالحین کے حالات میں سے تو کچھ بھی نہ دیکھ سکے گا۔ جب تک تو مخلوق سے بھیک مانگتا اور ان کو خدا کا شریک سمجھتا رہے گا تیرے دل کی آنکھیں نہ کھلیں گی۔ جب تک مخلوق اور دنیا سے بے رغبتی نہ ہو تجھے بات نہ کرنا چاہئے۔ کوشش کر تجھے وہ کچھ نظر آئے گا جو اوروں کو نہیں نظر آتا۔ تجھ سے کرامتیں ظاہر ہونے لگیں گی۔ جب تو گنی چنی چیزیں (یعنی زر و مال) چھوڑ دے گا تو تیرے پاس (خزانہ غیب سے وہ چیزیں) آئیں گی جو تیرے شمار سے باہر ہوں گی۔ جب تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے گا اور خلوت و جلوت میں اس سے ڈرے گا تو وہ تجھے ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں تجھے گمان بھی نہ ہو گا۔ تو (مال جمع کرنا) چھوڑ دے، وہ خود تجھے عطا فرمائے گا۔ زہد اختیار کر تاکہ وہ خود تجھے عطا فرمائے۔ ابتداء میں دنیا کا ترک کرنا ہے اور آخرت میں اس کا لینا۔ ابتدا میں دنیا اور لذتوں کو ترک کر کے قلب کو اذیت پہنچانا اور آخرت میں ان چیزوں سے راحت حاصل کرنا ہے۔ پہلی حالت (یعنی ترکِ دنیا) پرہیزگار لوگوں کیلئے ہے اور دوسری صورت ابدال کیلئے جو طاعتِ الٰہی تک پہنچے ہوئے ہیں۔ اے ریاکار! اے منافق! اے مشرک! تو جون سی (دنیا کی لذت) ترک کئے ہوئے ہے اس میں تو ان حضرات سے مزاحم نہ ہو، یہ گنتی کے لوگ ہیں۔ ان کے حالات کا

طالب نہ ہو، وہ تیرے ہاتھ نہ آئیں گے۔ انہوں نے اپنی عادتوں کے خلاف کیا اور تو نے انہیں محفوظ رکھا۔ یقیناً وہ صاحبِ کرامت ہیں اور تو نہیں ہے۔ وہ تیرے سونے کے وقت (نمازِ تہجد کیلئے) کھڑے ہوئے، انہوں نے تیرے افطار کے وقت روزے رکھے۔ تو بے خوف رہا اور وہ ڈرتے رہے۔ تیرے ہراس کے وقت وہ بے خوف رہے۔ انہوں نے تیرے بخل کے موقع پر خرچ کیا۔ انہوں نے خدا تعالیٰ کیلئے عمل کیا اور تو نے غیر خدا کیلئے۔ انہوں اللہ تعالیٰ کو مقصود بنایا اور تو نے غیر اللہ کو مراد ٹھہرایا۔

انہوں نے سارا معاملہ خدا کے سپرد کیا اور تو نے خدا سے جنگ و جدال کی۔ وہ تقدیر پر راضی ہو کر غنی ہوئے اور مخلوق سے شکایت کرنے والی زبان کاٹ ڈالی اور تو نے یہ نہیں کیا۔ انہوں نے دنیا کی تلخی پر صبر کیا تو یہ تلخی ان کے حق میں حلاوت بن گئی۔ تقدیر کی چھریاں ان کا گوشت کاٹتی رہیں لیکن انہوں نے کوئی پروانہ کی اور نہ ہی ملول ہوئے کیونکہ ان کی نظر دکھ دینے والے پر تھی اور وہ اس سے مدہوش تھے۔ مخلوق ان سے آرام میں تھی کہ ان سے کسی ایک کو بھی تکلیف نہ پہنچتی تھی۔ چنانچہ کہا جاتا ہے کہ ''ابرار وہ ہیں جو چھوٹی چیونٹی کو بھی نہیں ستاتے جس کا نظر آنا بھی مشکل ہے۔'' وہ خدا سے عبادت کے ساتھ، مخلوق کے ساتھ حسن سلوک سے اور بال بچوں سے صلہ رحمی کے ساتھ ملا کرتے ہیں۔ وہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ عیش میں ہیں۔ دنیا میں خدا کے قرب کا لطف ہے اور آخرت میں جنت، حق تعالیٰ کے دیدار، اسکے کلام کی سماعت اور خلعت پوشی کی لذت ہوگی، تجھ کو ان سے کیا نسبت؟ تو خدا تعالیٰ کی جناب میں اپنی بے شرمی اور گناہ سے توبہ کرنے میں لگ جا۔

عالم وجودِ باری کی دلیل ہے

تجھ پر افسوس! شرم خدا تعالیٰ سے ہونی چاہئے نہ کہ مخلوق سے، وہی ہر چیز سے پہلے موجود تھا۔ (تعجب ہے کہ) تو فانی (مخلوق) سے تو شرم کرتا ہے اور باقی رہنے والی ذات سے تجھ کو حیا نہیں آتی۔ سخی وہی ہے اور دوسرے بخیل۔ وہ غنی ہے اور دوسرے فقیر۔ اس کی عادت بخشش ہے اور دوسروں کی عادت بخل۔ اس کے پاس اپنی حاجتیں لے کر آ کیونکہ وہ دوسروں سے زیادہ اس کا مستحق ہے۔ اس کی کاریگری اس کے ہونے کی دلیل ہے۔ اس کی شرعی حدود کے اندر رہ اور تقویٰ کو

ضروری سمجھ ۔ اگر تو ہر وقت تقویٰ کا خیال رکھے گا تو وہ اپنی ذات پر تجھے آگاہ کردے گا اور تو مصنوع (مخلوق) کو چھوڑ کر اس (صانع) کے ساتھ مشغول ہو جائے گا۔ اس پر (عالم سے) دلیل لا (کہ اتنی بڑی دنیا بنانے والا ضرور موجود ہے) اور اس کی تلاش کر اور دنیا و آخرت دونوں کو چھوڑ دے کیونکہ ان دونوں میں جو کچھ بھی تیری قسمت کا ہے وہ ضرور ملے گا اور ضائع نہ ہو گا۔ ماسویٰ کو ترک کرنے سے تیرا دل کدورتوں سے صاف ہو جائے گا۔ اگر تیرا دل تجھ کو اس کا راستہ نہ دکھائے تو تو بے عقل جانور ہے۔ اٹھ دنیا کو چھوڑ اور ان عقلمندوں کے پاس آ جن کی عقل نے اللہ تعالیٰ کی راہ سجھائی ہے ان سے عقل سیکھ اور اس عقل سے اپنے نفس اور خدا کو پہچان۔

ہوس کا قیدی

افسوس! تیری عمر گزر رہی ہے اور تجھے خبر نہیں۔ آخرت سے منہ موڑ کر کب تک دنیا کے پیچھے رہے گا۔ تجھ پر افسوس! تیری روزی تیرے سوا کوئی دوسرا نہ کھائے گا۔ جنت یا دوزخ میں جہاں بھی تیری جگہ ہے اس پر کوئی اور قیام نہ کرے گا۔ تجھ پر غفلت چھائی ہوئی ہے اور تو ہوا و ہوس کا قیدی ہے۔ تیری ساری ہمت کھانے پینے، نکاح کرنے، سونے اور اپنا مطلب نکالنے میں صرف ہوتی ہے۔ تیرا اہتمام کفار و منافقین کا سا اہتمام ہے۔ حلال ہو یا حرام اس سے پیٹ بھر لینے کے بعد تجھے کچھ خیال نہیں آیا کہ تجھ پر کوئی قرض ہے یا نہیں۔

دین کا خسارہ

اے مسکین! اپنے نفس پر رو۔ تیرا بچہ مرجاتا ہے تو قیامت آجاتی ہے لیکن تیرا دین مرتا ہے تو تجھے کوئی پروا نہیں ہوتی اور نہ تجھے رونا آتا ہے۔ فرشتے جو تجھ پر موکل ہیں، وہ تیرے دین کے متعلق اصل کا خسارہ دیکھ کر تجھ پر روتے ہیں کہ (نفع کی بجائے اصل پونجی بھی ضائع ہو گئی)۔ تجھے عقل نہیں اگر ذرا بھی سمجھ ہوتی تو دین جانے پر ضرور روتا۔ تیرے پاس سرمایہ ہے لیکن اس سے تجارت نہیں کرتا۔ یہ عقل و زندگانی دونوں سرمایہ ہیں مگر تو ان سے تجارت کرنا اچھا نہیں سمجھتا۔ علم جس پر عمل نہ کیا جائے، وہ عقل جو نفع نہ دے اور وہ زندگی جس سے فائدہ نہ ہو ایسی ہیں جیسے غیر آباد گھر، لاپتہ خزانہ اور ایسا کھانا جسے کھایا نہ جائے۔ اگر تجھے اپنے حال کی خبر نہیں تو (مجھ سے پوچھ کہ) میں خوب واقف ہوں۔

میرے پاس آئینہ شریعت ہے، وہ حکم ظاہر ہے اور ایک آئینہ معرفت الٰہی کا ہے، وہ علم باطن ہے (ان آئینوں سے یہ بات عیاں ہو جائے گی کہ نہ تیرا ظاہر درست ہے نہ باطن)۔ خواب غفلت سے جاگ اور بیداری کے پانی سے منہ دھو ڈال۔ پھر دیکھ کہ تو کیا ہے؟ آیا مسلم ہے یا کافر؟ مومن ہے یا منافق؟ موحد ہے یا مشرک؟ ریا کار ہے یا مخلص؟ موافق ہے یا مخالف؟ خوش ہے یا ناخوش؟

تیری خوشی و ناخوشی کی پرواحق تعالیٰ کو نہیں۔ اس کا نفع و نقصان دونوں تجھ ہی کو ہوں گے، وہ پاک ہے۔ سخی، حلیم اور صاحب فضل ہے۔ سب اسی کے فضل و کرم کے ماتحت ہیں۔ اگر وہ ہم پر لطف نہ فرمائے تو ہم ہلاک ہو جائیں۔ اگر اپنے برتاؤ کے مطابق ہم میں سے ہر شخص کے (برتاؤ) کا پورا مقابلہ کرے تو ہم سب ہلاک ہو جائیں۔

محرومی و بے خبری عزیزم! تو اپنی عبادت کا جس میں تیری سہو، تیری ریا اور تیرا انفاق شامل ہیں خدا پر احسان جتاتا اور اپنے لئے عزت کا خواہاں ہے، اپنی خرابی کے باوجود نیکوکاروں سے مقابلہ کرتا ہے۔ اے بھاگے ہوئے غلام! اے مغرور! اور اس امت کے مخلصوں اور موحدوں کے دائرہ سے خارج انسان! تجھے ان نیکوکاروں اور ان کی معرفت سے کیا سروکار؟ تجھ پر افسوس! اتنا رو کہ لوگ بھی تیرے ساتھ رونے لگیں۔ اپنی مصیبت پر ماتمی لباس پہن کر بیٹھ تاکہ دوسرے بھی تیرے پاس (ہمدردی کے طور پر تعزیت کیلئے) آ بیٹھیں تو محجوب ہے اور تجھے خبر نہیں۔ بعض بزرگوں نے کہا ہے کہ ان محجوبین پر افسوس! جن کو یہ بھی علم نہیں کہ وہ محجوب ہیں۔ افسوس! تیرا دل کیا ہے؟ (گوشت کا ٹکڑا ہے یا پتھر) تو سمجھتا کیا ہے؟ کس سے شکوہ کرتا ہے اور کس سے فریاد؟ کس کے پاس سوتا ہے؟ جب مصیبت سے دوچار ہوتا ہے تو کس پر بھروسہ کرتا ہے؟ مجھے بتا تو سہی۔ میں تیرا جھوٹ و نفاق سب جانتا ہوں، تو اور ساری مخلوق میرے نزدیک مچھر کے برابر ہے لیکن تم میں جو آدمی سچا (طالب) ہے اس کا میں ادنیٰ خادم اور غلام ہوں۔ اگر وہ (مجھے) بازار میں لے کر بیچنا یا مکاتب بنانا چاہے تو کر دیکھے (مجھے عذر نہ ہوگا)۔ وہ چاہے تو میرے بدن کے کپڑے اور جو کچھ میرے پاس ہے لے لے اور مجھے حکم دے کہ میں بھیک مانگتا پھروں تو کر دیکھے

(مجھے عذر نہ ہوگا)۔ تیرے پاس سچائی، توحید اور ایمان تو ہے نہیں میں تجھے لے کر کیا کروں؟ کیا پھٹے کپڑے کا پیوند بناؤں؟ تو سوکھی لکڑی ہے جو جلانے کے سوا کسی کام کی نہیں۔

نعمت کا اظہار و شکر لوگو! دنیا فنا ہو رہی ہے اور عمریں تمام ہو رہی ہیں اور آخرت تمہارے قریب آ گئی اور تمہیں اس کی کوئی فکر نہیں بلکہ دنیا اور اس کی جمع کرنے میں منہمک ہو۔ تم خدا کی نعمتوں کے دشمن ہو۔ اگر اس کی طرف سے تم کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کو ظاہر کرتے ہو۔ اس کی طرف سے کوئی بھلائی آتی ہے تو اس کو چھپا لیتے ہو۔ اگر تم خدا کی نعمتوں کو چھپاؤ گے اور اس کا شکر ادا نہ کرو گے تو وہ ان کو چھین لے گا۔ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا "جب خدا تعالیٰ کسی بندے کو نعمت دیتا ہے تو چاہتا ہے کہ وہ اس پر دیکھی جائے (یعنی وہ نعمت ظاہر ہو)۔"

ولی اور غیر ولی کی تمنا اہل اللہ نے اپنے لئے صرف ایک فکر رکھی، ساری چیزیں اپنے دل سے نکال دیں۔ صرف ایک چیز باقی رہنے دی جو دوسری چیزوں کی طرح نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی عبادت کو دکھاوے، سناوے اور ریا سے پاک رکھا، عبودیت کو رب العزت کیلئے مخصوص کیا۔ اور تم بندے بنے ہوئے ہو مخلوق کے، بندے بنے ہوئے ہو ریا و نفاق کے، تم بندے ہو مخلوق کے اور خواہشات و لذات اور مدح کے۔ تم میں سے چند ایک کے سوا کوئی بندگی کا حق ادا نہیں کرتا۔

ہاں جسے خدا چاہے اور وہ شاذ و نادر افراد ہیں۔ (باقی سب کی یہ کیفیت ہے کہ) کوئی دنیا کو پوجتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ ہمیشہ رہے اور خائف ہے اس کے زوال سے اور کوئی مخلوق کا پجاری ہے۔ انہی سے ڈرتا ہے اور انہی سے امیدیں وابستہ رکھتا ہے۔ کوئی جنت کی پرستش کرتا اور اس کی نعمتوں کا آرزومند ہے مگر جنت بنانے والے کا آرزومند نہیں۔ کوئی دوزخ کی پرستش کرتا، صرف اسی سے ڈرتا ہے مگر اس کے پیدا کرنے والے سے نہیں ڈرتا۔ مخلوق جنت، دوزخ اور ماسوا کی حقیقت ہی کیا ہے؟ (کہ اس سے ڈرا جائے) اللہ تعالیٰ نے فرمایا" لوگوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اخلاص سے یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کریں۔"

ولی و غیر ولی میں فرق جن کو ذات باری کا علم و معرفت حاصل ہے انہوں نے اسی کی عبادت کی، غیر کی نہیں کی۔ انہوں نے ربوبیت اور عبودیت کا حق ادا کر دیا۔ تعمیل حکم اور اس کی محبت میں عبادت کی کسی اور غرض سے نہیں کی۔ اس کے سوا کسی سے غرض نہ رکھی، سب کو چھوڑ دیا۔ تم بے جان تصویر ہو۔ تم ظاہر ہو اور اہل اللہ باطن ہیں۔ تم الفاظ ہو اور اہل اللہ معانی، تم آشکارا ہو اور وہ سرّ و خفا ہیں۔ اہل اللہ انبیاء علیہم السلام کے دائیں بائیں آگے پیچھے پیادوں کی طرح ہیں۔ ان کا بچا ہوا کھانا اور پانی کھاتے پیتے ہیں۔ ان کے علوم پر عمل کرتے ہیں پس ان کی وراثت ان کیلئے متحقق ہو گئی۔ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''علماء انبیاء علیہم السلام کے وراث ہیں۔''

جب کہ انہوں نے ان کے علوم پر عمل کیا تو انبیاء علیہم السلام کے جانشین، وارث اور نائب بن گئے۔ تجھ پر افسوس! یہ مرتبہ محض علم سے حاصل نہیں ہوتا جس طرح دعویٰ بغیر گواہ کے نفع بخش نہیں اسی طرح علم عمل کے بغیر بے فائدہ ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''علم عمل کو آواز دیتا ہے، اگر وہ اس کی تعمیل کرتا ہے تو بہت خوب ورنہ وہ چل دیتا ہے۔'' اس (علم) کی برکت اٹھ جاتی ہے۔ صرف پڑھنا پڑھانا باقی رہتا ہے، مغز جاتا رہتا ہے صرف چھلکا رہ جاتا ہے۔

اے علم پر عمل نہ کرنے والو! کوئی تم میں شعر و شاعری کا ماہر ہے اور کوئی عبارت آرائی اور فصاحت و بلاغت میں (یگانہ روزگار ہے) لیکن عمل و اخلاص سے کورا ہے۔ اگر تیرا دل مہذب ہو جاتا تو تیرے اعضاء بھی شائستہ بن جاتے کیونکہ وہ اعضاء کا بادشاہ ہے۔ بادشاہ کے مہذب ہونے سے رعایا بھی مہذب بن جاتی ہے۔ علم چھلکا ہے اور عمل گری۔ چھلکے کی حفاظت اسلئے کی جاتی ہے کہ گری محفوظ رہے اور گری کی حفاظت اس لئے کی جاتی ہے تاکہ اس میں سے تیل نکالا جا سکے۔ جب چھلکے میں گری ہی نہ ہو تو نرا چھلکا کیا ہو گا اور جب گری میں تیل نہیں (سوکھی) گری کس کام کی۔ علم اٹھ گیا کیونکہ جب علم پر عمل نہ رہا تو گویا علم نہ رہا۔ عمل کے بغیر پڑھنے پڑھانے اور یاد کرنے سے تجھے کوئی فائدہ نہیں۔ اے عالم! اگر تو دنیا و آخرت کی بھلائی چاہتا ہے تو اپنے علم پر عمل کر اور لوگوں کو پڑھا اور اے امیر! اگر تو دنیا و آخرت میں بھلائی

کا طلب گار ہے تو اپنے کچھ مال سے فقیروں کے ساتھ سلوک کر۔ جناب نبی کریم ﷺ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ''مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور حق تعالیٰ کو وہ سب سے زیادہ پیارا ہے جو اس کے کنبہ کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔'' وہ پاک ذات ہے جس نے ایک کو دوسرے کا محتاج بنایا۔ اس میں اس کی بہت سی حکمتیں ہیں۔ اے دولت مند! تو مجھ سے بھاگتا ہے (کہ کچھ دینا نہ پڑے)۔ میں تجھ سے تیرے ہی لئے لیتا ہوں (تا کہ تجھے فائدہ پہنچے) مجھے عنقریب اللہ تعالیٰ کی جانب سے وہ امارت ملنے والی ہے جو مجھے تم سے بے نیاز اور تمہیں میرا محتاج بنا دے گی۔ ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ جب کسی فقیر کی بے صبری دیکھتے تو یوں دعا مانگتے ''اے اللہ! ہم کو دنیا میں وسعت دے اور زہد عطا فرما اور اس دنیا کو ہم سے دور بھی نہ کر اور اتنی رغبت بھی نہ دے ورنہ ہم اس کی طلب میں ہلاک ہو جائیں گے۔ اے اللہ! اپنے احکام قضا وقدر میں ہم پر رحم فرما۔''

زہد اور علم

عقل مند کون ہے مبارک ہو اس کو جس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اس کیلئے اعتراف کیا اور ساری نعمتیں اس کی طرف منسوب کیں اور اپنے نفس اور اسباب اور زور قوت کو خالی سمجھا۔ عقلمند وہی ہے جو اللہ تعالیٰ سے کسی عمل کے متعلق بھی حساب نہیں کرتا اور نہ کسی حال میں اس سے طالب معاوضہ ہے۔

زہد علم کے بغیر حجاب ہے تجھ پر افسوس تو اللہ تعالیٰ کی عبادت بغیر علم کے کرتا ہے۔ زہد بھی علم کے بغیر اور دنیا کی کمائی بھی علم کے بغیر کرتا ہے۔ یہ حجاب در حجاب ہے اور غصہ در غصہ۔ تجھے بھلائی اور برائی کی تمیز نہیں اور نہ اپنے نفع ونقصان میں امتیاز ہے اور نہ اپنے دوست ودشمن کو پہچانتا ہے۔ اس کی وجہ خدا کے حکم سے تیری ناواقفیت اور مشائخ کی خدمت سے پہلوتہی ہے۔ علم وعمل کے مشائخ ہی تجھے خدا کا راستہ دکھا سکتے ہیں۔ اول قول (یعنی علم) پھر عمل (کی ضرورت ہے) اور اسی سے تو خدا تک پہنچ سکتا ہے۔

جس کو بھی وصل حاصل ہوا ہے، علم کے ذریعہ اور اپنے قلب اور جسم سے دنیا میں بے رغبتی اور روگردانی کرنے سے حاصل ہوا ہے۔ بناوٹی زاہد دنیا کو صرف اپنے ہاتھ سے دور رکھتا ہے اور حقیقی زاہد دل سے دنیا کو نکال باہر کرتا ہے۔ جب ان کے دلوں میں دنیا کی رغبت نہ رہی تو زہد ان کی طبیعت بن گیا اور ان کے ظاہر و باطن میں رچ گیا۔ ان کی طبیعتوں کی آگ بجھ گئی، ان کی خواہشیں مٹ گئیں، ان کے نفوس مطمئنہ بن گئے اور ان کی شرارت ختم ہوگئی۔

زہد صناعی نہیں یہ زہد کوئی صنعت نہیں ہے کہ تو خود بنا سکے، نہ وہ کوئی ایسا معمولی کام ہے جسے تو ہاتھ سے کر کے پھینک دے بلکہ وہ چند قدم ہیں (جن کو طے کرنے کیلئے عرصہ دراز اور مشائخ کی رہنمائی کی ضرورت ہے)۔ سب سے پہلے دنیا کے چہرے پر نظر ڈالنا اور اس کی اصلی صورت پہچاننا ہے جو گزشتہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور اولیاء و ابدال کے پیش نظر تھی جن سے کوئی زمانہ خالی نہیں رہا اور تو دنیا کی صحیح صورت اس وقت دیکھ سکتا ہے جب تمام قول و فعل میں ان بزرگوں کی پیروی کرے۔ جب تو ان کا پیرو ہو جائے گا تو تجھے (دنیا) وہی نظر آئے گی جو انہیں نظر آئی تھی۔ جب تو قول و فعل خلوت و جلوت، علم و عمل، صورت و سیرت میں اللہ والوں کے نقش قدم پر ہو لے گا اور ان کی طرح روزہ رکھے اور نماز پڑھے گا، جو چیز انہوں نے لی یا نہ لی، ان کی طرح تو لے گا اور ان پاک ہستیوں سے محبت رکھے گا تو اس وقت تجھ کو حق تعالیٰ ایک نور عطا فرمائے گا جس سے تو اپنی ذات اور غیر کو دیکھ سکے گا۔ تجھ پر تیرے اور مخلوق کے عیوب کھل جائیں گے اور تجھے نہ اپنی پرواہ ہوگی، نہ دنیا کی، جب تجھے اس میں کمال حاصل ہو جائے گا تو قرب کے انوار تیرے قلب کی طرف آئیں گے اور تو مومن، عارف، صاحب یقین و علم بن جائے گا اور تجھے تمام چیزیں اپنے اصلی خدوخال میں نظر آنے لگیں گی۔ اگلے زاہدوں اور اعراض کرنے والوں کی طرح تو بھی دنیا کو دیکھے گا۔ وہ تجھے ایک بڈھی، پھوس بدشکل عورت کی صورت میں نظر آئے گی۔ وہ انہیں ایسی ہی معلوم ہوتی تھی اور بادشاہوں کو بنی ٹھنی خوبصورت دلہن (دکھائی دیتی تھی)۔ وہ اہل اللہ کے نزدیک حقیر و ذلیل ہے۔ وہ لوگ اس کے بالوں کو آگ لگاتے، اس کے کپڑوں کو پارہ پارہ کرتے اور اس کے چہرے

پر کھرونچے مارتے اور اپنے مقسوم زبردستی بادلِ ناخواستہ وصول کرتے ہیں اور خود وہ آخرت کی مصاحبت میں ہیں۔

ترک علائق کا حاصل

عزیزم! جب دنیا سے پوری طرح کنارہ کش ہو جائے تو اپنے اختیار اور مخلوق میں زہد اختیار کر کہ نہ ان سے ڈرے اور نہ امید رکھے اور تجھے نفس جو کچھ حکم دے اسے امر الٰہی کے بغیر نہ مان اور خواب یا الہام میں دل پر غلبہ پانے والی کیفیت کا منتظر رہ اور وہ جب تک تمام مخلوق سے متنفر ہو کر رخ نہ پھیر لے اس کی کوئی بات نہ مان۔

اگر تیرے اعضاء ساکن رہیں (یعنی کسب میں نہ ہلیں جلیں) تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ یہ تیرے لئے نقصان رساں نہیں۔ اعتبار قلب کے سکون کا ہے (یعنی وہ بھٹکنے سے بچ جائے)۔ یہ بڑا بھاری کام ہے جب تک تیرا نفس، تیری طبیعت، تیری خواہش اور ماسوئی کی امید ختم نہ ہو جائے، تجھے سکون نصیب نہ ہوگا۔ ہاں اس کے بعد تو اس کے قرب سے زندہ ہوگا۔ پہلے (نفس کی) موت ہے پھر زندگی۔

وہ جب چاہے گا تجھے اٹھا کر کھڑا کرے گا اور تجھے مخلوق کی طرف انہیں کی بھلائی اور بابِ حق کی طرف لانے کیلئے بھیج دے گا۔ اب دنیا و آخرت کی خواہش پیدا ہوگی تاکہ ان دونوں سے اپنا حصہ لے سکے۔ مخلوق کی ایذائیں برداشت کرنے کی طاقت بھی دی جائے گی اور تو ان کو گمراہی سے باز رکھے گا اور ان کے متعلق احکامِ الٰہی بجالائے گا۔

اگر تجھ کو یہ خدمت نہ بھی ملی تو اس کا قرب حاصل ہوگا جو کافی اور غیروں سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ اس خالق کو پا جانے کے بعد جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور سب سے قبل موجود تھا تو مخلوق پر قناعت نہ کر سکے گا۔ وہی ہر چیز سے پہلے تھا، وہی سب کو وجود بخشنے والا ہے اور وہی ہر چیز کے بعد ہوگا۔ تمہارے گناہ بارش کی طرح ہیں، تمہاری توبہ بھی اس کے مقابلہ میں ہر دم ہونی چاہئے۔

(جاری ہے)

غزل

بشیر منذر

زخم کھا کے خنداں ہیں پیرہن دریدہ ہم
زندگی کا نوحہ ہم، وقت کا قصیدہ ہم

جانے طبع کے ہاتھوں کون گھاٹ اتریں گے
شہر سے گریزاں ہم، دشت سے رمیدہ ہم

زندگی کی آنکھوں میں رات دن کھٹکتے ہیں
خس جو ہیں تو لاثانی، خار ہیں تو چیدہ ہم

برگ تازہ ہے، زخم رستا ہے
موسمِ بہاراں میں شاخِ نو بریدہ ہم

بزمِ رنگ و نغمہ میں کون ملتفت ہو گا
آہِ ناکشیدہ ہم، حرف ناشنیدہ ہم

سیدنا مولوی جی رحمتہ اللہ علیہ کی شانِ فقرو درویشی

سید محمد انور شاہ قادری

لائبریرین گورنمنٹ ہائیر سیکنڈری سکول نمبر ۳ پشاور شہر

لفظ فقیر سے عموماً ذہن میں گداگر کا تصور ابھرتا ہے جو بھیک مانگنے کیلئے دردر گھومتا رہتا ہے لیکن حقیقی معنوں میں فقر سیرت و کردار کا اعلیٰ ترین وصفِ جمیل ہے جسے پیارے محبوب، شفیع المذنبین، رحمت للعالمین، احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنایا اور شرفِ پسندیدگی بخشا۔ گویا یہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مطہرہ ہے جبکہ بھیک مانگنے والے معیوب سمجھے جاتے ہیں۔

لہٰذا گداگر اور حقیقی فقیر میں فرق و امتیاز قائم کرنے کیلئے اہلِ علم نے فقر کی دو قسمیں بیان کی ہیں: ایک فقر اضطراری اور دوسرا فقر اختیاری کہلاتا ہے۔ اول الذکر قسم میں وہ مفلس آجاتے ہیں جو اضطرار کی حالت میں ہوتے ہیں یعنی وہ اپنی اور اپنے اہل خانہ کی ضروریات زندگی (خوراک، لباس اور رہائش وغیرہ) سے محروم ہوتے ہیں۔ ان کے حصول کیلئے گلی گلی صدائیں لگاتے پھرتے ہیں اور مخلوق کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں۔ قرآن مجید فرقان حمید نے انہیں فقراء کے نام سے یاد کرتے ہوئے صدقات وخیرات کے مستحقین میں ان کا ذکر کیا ہے۔

جبکہ فقر اختیاری سے مراد وہ فقیر ہیں جو اپنی تمام حاجات کیلئے اہل دنیا کی بجائے خالقِ حقیقی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کے در پر پڑے رہتے ہیں کسی دوسرے در کی طرف قطعاً متوجہ نہیں ہوتے گویا ان کی پوری زندگی اس آیہ کریمہ کی آئینہ دار ہوتی ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ (فاطر: ۱۵)

ترجمہ: اے لوگو! تم سب اللہ تعالیٰ کے فقیر (محتاج) ہو۔

اگرچہ اس ارشادِ خداوندی کی رو سے ہر انسان اللہ تبارک وتعالیٰ کا فقیر او رمحتاج ہے لیکن عام انسانوں کی نگاہوں کا مرکز اسبابِ دنیا ہوتے ہیں جس کی بدولت ان کا رشتہ فقر رب العالمین جل جلالہ سے استوار نہیں ہوتا۔ لہٰذا اصطلاحِ تصوف میں صرف وہی حضرات فقیر کہلاتے ہیں جو اسباب سے بالاتر ہو کر مسبب الاسباب کے ساتھ اپنا تعلق جوڑنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ غنی و بے نیاز ہے اور بندوں میں سے جو اس کا بندہ بن جائے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے اس بندے کو بھی غنی کر کے بے نیازی کی دولت عطا فرما دیتا ہے۔ پھر اسے دنیا و مافیہا سے کوئی چیز اچھی نہیں لگتی۔ دولت، عزت، شہرت اور منصب آگے بڑھ کر اس کا والہانہ استقبال کرتے ہیں لیکن وہ ان پر ترچھی نظر ڈالنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ ایسے فرش نشین فقیر کی شانِ فقر و درویشی کے سامنے تاج وتختِ سکندری بھی اپنی وقعت کھو دیتا ہے۔

انبیاء کرام میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک امتیازی شان کے مالک ہیں۔ اولوالعزم اور صاحبِ کتاب و شریعت پیغمبر ہیں۔ فرعون جیسے ظالم، متکبر اور طاقتور بادشاہ کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کامیابی سے ہمکنار فرمایا۔ اس عظیم المرتبت رسول نے اپنے آپ کو فقیر کہہ کر یاد فرمایا

فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ (القصص: ۲۴)

ترجمہ: پس عرض کی اے میرے رب جو خیر تو میرے لئے اتارے میں اس کا فقیر (محتاج) ہوں۔

جبکہ امام الانبیاء، فخر موجودات، سید الکونین، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر اختیاری کو اپناتے ہوئے نہ صرف بادشاہی میں فقیری کی بلکہ فرمایا "الفقر فخری" (مجھے فقر پر فخر ہے)۔ اس سے فقر کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اوصافِ جمیلہ میں فقر و درویشی سب سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے اسلئے تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوبی کو باعث فخر قرار دیا اور پھر امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے جن صاحبانِ عزیمت نے اس سنتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنایا انکی عظمت ورفعت کا راز بھی کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔

لیکن یہ بڑا مشکل، کٹھن اور جان جوکھوں کا کام ہے۔ ہر کس و ناکس اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اس کیلئے بڑی جرأت، ہمت، حوصلہ اور مردانگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کیلئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔

نفس امارہ کے بے لگام گھوڑے کو قابو کرنا پڑتا ہے۔ قدم قدم پر امتحان و آزمائش سے گزرنا پڑتا ہے اور قربانی و ایثار سے کام لینا پڑتا ہے۔

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ ان آزمائشوں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں

"فقر کے ستر ہزار مقامات ہیں جب فقیر یہ تمام مقامات طے کر لیتا ہے تو وہ فنا فی اللہ بقا باللہ کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ اس پر تجلی ڈال کر اسے دارین سے بے نیاز کر دیتا ہے۔"

حکیم الامت، شاعر مشرق علامہ محمد اقبال نے ایسے ہی روشن ضمیر فقراء کے بارے میں فرمایا

تمنا دردِ دل کی ہو تو خدمت کر فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

راقم الحروف جماعت نہم کا طالب علم تھا جب پہلی بار ۱۹۷۱ء میں یہ شعر نظر نواز ہوا اور اس نے دل پر بڑا اثر کیا اور دیر تک سوچتا رہا کہ

کیا اس دور میں کوئی ایسا فقیر ہے؟
اگر ہے تو خدا جانے دنیا کے کس کونے میں ہوگا؟
اور کیا یہ عاجز اس تک رسائی حاصل کر سکے گا؟

وقت گزرتا رہا اور جہاں کہیں یہ شعر نظر آتا تو دل میں یہ خواہش انگڑائیاں لینے لگتی۔ اس عرصہ میں کچھ نیک لوگوں کی خدمت میں حاضری بھی ہوتی رہی لیکن اطمینانِ قلب نصیب نہ ہوا۔ اللہ جل جلالہ جو دلوں کے بھید خوب جانتا اور ہر ایک کی مرادیں پوری کرنے والا ہے اس کے فضل و کرم سے ۱۹۷۶ء میں کچھ دوستوں کے ساتھ مل کر اپنے گاؤں وڈپگہ میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل منانے کا پروگرام بنایا اور تقریر کیلئے بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، جامع شریعت و طریقت حضرت علامہ مولانا سیدنا محمد امیر شاہ قادری گیلانی المعروف مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت دینے کا فیصلہ ہوا اور مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے رابطہ کرنے کا فریضہ احقر کے سپرد کیا گیا۔

یہ ہیچ مدان قبل ازیں مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی راہ و رسم نہ رکھتا تھا اس لئے کوشش کی کہ کوئی جان

پہچان والا بندہ مل جائے تاکہ اسکے ذریعے مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کر کے دعوت دی جائے لیکن کوشش کے باوجود کوئی ایسا آدمی نہ مل سکا اور بالآخر بلا واسطہ حاضر خدمت ہوا۔ قبلہ مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ آستانہ عالیہ قادریہ آقا پیر جان سے باہر سڑک پر توت کی چھاؤں میں چار پائی پر آرام فرما تھے۔ جب اس سیاہ کار کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اٹھے، گلے سے لگایا اور اپنے پاس بٹھا کر ایسی شفقت آمیز گفتگو فرمائی کہ بے قرار دل کو سکون نصیب ہوا۔ اس دو بدو ملاقات کا منظر آج بھی لوحِ قلب پر نقش ہے۔

اگلے سال ۱۹۷۷ء میں ایک دوست حفیظ نذیر کے ساتھ حاضر خدمت ہوا اور سلسلہ عالیہ قادریہ میں بیعت کی درخواست پیش کی جو منظور ہوئی اور پھر اسی سال بڑی گیارہویں شریف کے موقع پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ازراہِ شفقت اس گناہگار کو قادری نسبت کا رازدار بنا دیا اور پھر اس قدر کرم نوازی فرمائی جو کبھی وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ اپنے گھر کا ایک فرد قرار دیتے ہوئے آستانہ عالیہ قادریہ یکہ توت شریف کو اس روسیاہ کا مسکن بنا دیا۔ یوں جلوت و خلوت میں مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو قریب بہت ہی قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

حضور مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس دور کے ایک نابغہ عصر جامع شخصیت تھے۔ آپ نے مبلغ اسلام، جید عالمِ باعمل، مہربان استادِ کامل، بے بدل خطیب، مایہ ناز اہل قلم، بلند پایہ محقق، سنجیدہ و باوقار صحافی، بے لوث محبّ وطن سیاسی رہنما اور شفیق مرشدِ اکمل کی حیثیت سے ناقابل فراموش خدمات انجام دیں جن کا دائرہ نہایت وسیع ہے لیکن آپ کی فقر و درویشی کی صفت ان سب پر حاوی ہے۔

ایک بار ایسا ہوا کہ آپ کے صاحبزادے سید محمد نور الحسین قادری گیلانی المعروف سلطان آغہ جی (سجادہ نشین مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ) اور ان کے چھوٹے بھائی اپنی تنخواہ سے پیسے پس انداز کرتے رہے اور اسی رقم سے کچھ زمین خریدی جس دن زمین کے کاغذات کا انتقال ان کے نام ہوا تو سب گھر والے بہت ہی خوش ہوئے اور سب نے انہیں مبارک باد دی لیکن حضور مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ خاموش رہے۔ محترمہ ماہ گل صاحبہ رحمت اللہ علیہا (زوجہ حضور مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ) نے آنجناب رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کر کے فرمایا "بچوں نے اپنی محنت کی کمائی سے زمین خریدی ہے، سب نے مبارک بادی دی لیکن آپ نے انہیں مبارک باد

نہیں دی۔ آپ کو خوشی نہیں ہوئی ؟'' تو حضور مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ مسکرائے اور سلطان آغا صاحب کو اپنے پاس بلا کر فرمایا ''بیٹا اگر میں جائیداد بنانا چاہتا تو آج نصف پشاور میرا ہوتا لیکن میں نے دنیا پر فقیری کو ترجیح دی ہے لہٰذا تم بھی فقیر بنو اور ان جائیدادوں وغیرہ کے چکروں میں نہ پڑو۔''

چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ تحریک پاکستان میں آپ اور آپ کے تمام خاندان نے ہراول دستے کا کردار ادا کیا۔ آپ کی خانقاہ معلیٰ آستانہ عالیہ قادریہ آقا پیر جان یکہ توت کو پشاور شہر میں مسلم لیگ کے ہیڈ کوارٹرز کی حیثیت حاصل تھی۔ تمام اہم فیصلے یہیں ہوا کرتے تھے۔ خفیہ ریڈیو سٹیشن ''صدائے پاکستان'' کی نشریات کا آغاز اسی جگہ سے کیا گیا اور اس نام سے ایک اخبار بھی یہاں چھاپا جاتا تھا۔[1]

اہلِ پشاور بخوبی جانتے ہیں کہ قیام پاکستان کے بعد حضور مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ نے ان شاندار خدمات کا صلہ طلب نہیں کیا۔ نہ جائیداد بنائی، نہ ہی پرمٹ اور نہ ہی کسی قسم کا عہدہ یا مراعات حاصل کیں بلکہ اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خدمتِ خلق اور فقر و درویشی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔ تمام عمر اسی آبائی مکان میں گزاری جس کی دیواریں اینٹوں اور مٹی گارے سے بنی ہوئی ہیں اور چھت لکڑیوں سے اور اسی چھت کے نیچے زمین پر قیام فرما ہوتے۔ اگر حاکم وقت آتا یا کوئی مزدور محنت کش، اسی زمین پر آپ کے پاس بیٹھتا اور آپ کے محبت آمیز شفقت بھرے سلوک سے اس قدر متاثر ہوتا کہ بار بار یہاں آنے کی خواہش لئے باہر قدم رکھتا۔

آنجناب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں رہتے ہوئے فقر و درویشی کی حقیقت بھی معلوم ہوئی کہ کھردرا لباس پہننے، گدڑی اوڑھنے، سر منڈوانے یا بال لمبے کرنے، صفائی و طہارت سے گریز اور تارک الدنیا بن کر راہبانہ زندگی گزارنے میں ہی فقیری نہیں بلکہ فقیری یہ ہے کہ دل دنیا و مافیہا کی محبت سے خالی، جائز طریقے سے جو کچھ ملے لے کر خرچ کر دینا بہتر ہے نہ کہ جمع کر لیا جائے اور اگر کچھ نہ ملے تو تنگ دستی میں حرف شکایت زبان پر نہ لایا جائے۔ صبر و تحمل اور قناعت اختیار کی جائے اور ہر حال میں (خوشحالی و مفلسی) میں راضی برضا رہنے کا نام فقیری ہے یعنی فقیر کیلئے اسباب کا ہونا اور نہ ہونا دونوں برابر ہوتے ہیں اور

[1] ان تفصیلات کیلئے راقم کی کتاب ''حیات حافظ سید محمد زمان شاہ قادری گیلانی رحمۃ اللہ علیہ'' ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

دونوں حالتوں میں اس کا قلب یادِ الٰہی میں مشغول رہتا ہے، اِدھر اُدھر متوجہ نہیں ہوتا۔

حضور مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اسمِ گرامی سے پہلے بریکٹ میں لفظ فقیر لکھتے اور فرمایا کرتے تھے کہ فقیر کی مثال اس مجاہد کی سی ہوتی ہے جس کے جہاد کا دائرہ اس کی تمام زندگی پر محیط ہوتا ہے اور اس کا ایک لمحہ یا سانس بھی غفلت سے نہیں گزرتا۔ نیز اکثر و بیشتر ہندکو زبان کا یہ شعر پڑھا کرتے تھے

فقیرا! فقیری بڑی دور اے	اچی لمی کھجور اے
چڑھ گیا تا نور و نور اے	ٹھہ پیا تا چکنا چور اے

احقر کو ربع صدی سے زیادہ عرصہ تک حضور مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں رہنے کا شرف حاصل رہا۔ اس عرصہ میں کئی بار ایسا ہوا کہ دنیا اور اہلِ دنیا نے آپ اپنی طرف کھینچنا چاہا۔ بڑے بڑے مناصب آپ کے قدموں میں ڈھیر کیے گئے جنہیں آپ نے پرکاہ کی بھی حیثیت نہ دی اور پائے حقارت سے ٹھکراتے ہوئے فقر و درویشی کو اپنا شعار زندگی بنائے رکھا۔ اس ضمن میں چند چشم دید واقعات پیشِ خدمت ہیں:

جنرل محمد ضیاء الحق نے جولائی ۱۹۷۷ء میں مارشل لاء لگا کر حکومت پر قبضہ کر لیا تو اپنی حکومت کو طول دینے کیلئے مجلس شوریٰ کی بنا ڈالی اور ملک بھر سے علماء، فضلاء، دانشور، سیاستدان، وڈیرے، صنعت کار، پیران عظام اور دیگر مقتدر شخصیات کو اس کی رکنیت کیلئے نامزد کیا گیا۔ یوں لیلائے اقتدار کے اسیر اس دام تزویر میں پھنستے چلے گئے۔ حضور مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ کا نام بھی مجلس شوریٰ کی فہرست میں شامل کیا گیا۔ آنجناب اس وقت جمعیت علماء پاکستان کے صوبائی صدر تھے۔

چنانچہ ڈائریکٹر انٹیلی جنس بیورو امان اللہ خان آستانہ عالیہ قادریہ یکہ توت پشاور حاضر ہوا اور جنرل ضیاء الحق کی اس خواہش سے آپ کو باخبر کیا تو حضور مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مہمان کی خاطر تواضع کرنے کے بعد فرمایا "امان اللہ صاحب آپ جانتے ہیں کہ فوج کی ڈیوٹی وطن عزیز کی سرحدوں کی حفاظت کرنا ہے جب وہ اپنے اس فرض سے پہلوتہی کرتے ہوئے حکومت پر قابض ہو جائے تو اس کی عسکری روح بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ ہم نے تحریکِ نظامِ مصطفیٰ اس لئے نہیں چلائی تھی کہ فوج آ کر قبضہ کر لے۔

ضیاء الحق چونکہ غاصب ہے لہٰذا میں کسی غاصب کا ساتھ ہرگز نہیں دے سکتا۔"

امان اللہ صاحب حضور مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ کی باتوں سے اتنے متاثر ہوئے کہ آپ کے معتقد ہو گئے اور باقاعدگی سے آنا شروع کر دیا۔ کئی بار حضور مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو گھر آنے دعوت دی کی۔ اور پھر حضور مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہم سب لوگوں کو لے کر ان کے گھر گئے، ختم شریف پڑھا، کھانا کھایا اور ان کیلئے بہت دعائیں کیں۔ یاد رہے کہ موصوف ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب (کارڈیالوجسٹ لیڈی ریڈنگ ہسپتال پشاور) کے والد گرامی مرتبت تھے۔

اسی طرح جب سرحد کی صوبائی کابینہ قائم کی جانے لگی تو ضیاء الحق مرحوم کے تعینات کردہ گورنر سرحد نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری جناب عثمان ہاشمی صاحب کو حضور مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا۔ وہ آئے اور تقریباً دو گھنٹے تک حضور مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کابینہ کی سنیئر وزارت کا قلمدان سنبھالنے پر آمادہ کرتے رہے اور بڑے دلائل دیتے رہے۔

حضور مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کی باتیں خاموشی سے سنتے رہے اور جب وہ چپ ہوئے تو آپ نے فرمایا "میں فقیر ہوں اور غاصبوں کی حکومت میں کوئی بھی عہدہ قبول کرنا نہیں چاہتا۔" بعد ازاں ارباب جہانگیر خان نے سنیئر وزیر (وزیر اعلیٰ) کی حیثیت سے کام شروع کیا اور ان کی نگرانی میں صوبائی کابینہ تشکیل دی گئی۔

حضور مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انکار کے باوجود گورنر صاحب آپ کے گرویدہ ہو گئے کیونکہ لوگ تو وزیر بننے کیلئے ان کے پاس سفارش کروا رہے تھے اور ایک آپ ہیں کہ گورنر کی خواہش کے باوجود آپ اسے قبول کرنے سے گریز کر رہے ہیں۔ گورنر جان گیا کہ مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کوئی عام مولوی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقبول اور برگزیدہ بندے ہیں۔

جبکہ ہاشمی صاحب کی عقیدت میں بھی بے پناہ اضافہ ہوا۔ گاہے گاہے ہاشمی صاحب آستانہ عالیہ تشریف لاتے اور گورنر صاحب کے عقیدتمندانہ جذبات سے حضور مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو آگاہ کرتے۔ ان کی بے انتہا خواہش تھی کہ حضور مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کسی دن گورنر ہاؤس پشاور میں قدم

رنجہ فرمائیں۔

انہوں نے جب گورنر صاحب کی یہ درخواست مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں عرض کی تو مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے ہمیں بھی ان سے پیار ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس عقیدت و محبت کی جزائے خیر عطا فرمائے لیکن فقیروں کیلئے ہرگز یہ مناسب نہیں ہوتا کہ وہ امراء کے درباروں کے چکر لگاتے پھریں۔

تیسرا واقعہ بڑا ہی عجیب ہے۔ حضرت مولانا عبدالقیوم پوپلزئی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے جب چیف خطیب صوبہ سرحد کا عہدہ خالی ہوا تو ان دنوں صوبائی کابینہ میں آغا سید ظفر علی شاہ صاحب بطورِ وزیرِ صحت کام کر رہے تھے۔ آپ مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بڑی محبت و عقیدت رکھتے ہیں۔ مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے ساتھ بڑے پیار و محبت سے پیش آتے تھے۔ ایک دن شاہ صاحب آستانہ عالیہ پر تشریف لائے۔ حضرت مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس وقت موجود نہ تھے اور آنجناب کے برادرِ اصغر سید اختر الزماں شاہ چشتی گیلانی المعروف بادشاہ گل صاحب سے آغا سید ظفر علی شاہ صاحب محوِ گفتگو ہوئے۔ باتوں باتوں میں آغا جی صاحب نے فرمایا ''چیف خطیب کا عہدہ خالی ہے اور میرے خیال میں مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کیلئے موزوں ترین شخصیت ہیں۔ اگر مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مرضی ہو تو میں اس سلسلہ میں گورنر فضل حق صاحب سے بات کروں۔''

جناب بادشاہ گل صاحب نے فرمایا ''بات تو آپ کی بہت اچھی ہے لیکن مجھے یقین نہیں کہ مولوی جی اس عہدہ کو قبول کرنے پر آمادہ ہو جائیں گے۔'' پھر شاہ صاحب تو چلے گئے اور جب مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو بادشاہ گل نے آغا جی صاحب کی آمد اور چیف خطیب کے عہدے کے حوالے سے ان کی نیک خواہشات کا ذکر مولوی جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کیا تو مولوی جی رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے ''گورنر فضل حق صاحب نے تو مجھے خود اس عہدے کی پیشکش کی ہے۔ اس نے ایک آدمی بھیجا تھا جس نے یہ واقعہ بھی سنایا کہ فلاں مولوی صاحب ایک وفد لے کر گورنر فضل حق کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اس عہدہ پر اس کا تقرر کیا جائے۔ گورنر صاحب نے اس سے پوچھا کہ آپ کس امام کے مقلد ہیں؟ تو وہ کہنے

لگا امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا۔ پھر گورنر نے اس سے سوال کیا کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے حالات زندگی کا آپ نے مطالعہ کیا ہے؟ تو وہ کہنے لگا جی ہاں۔ تو گورنر نے کہا آپ کو معلوم ہوگا کہ امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کو تمام اسلامی حکومت کا قاضی القضاۃ بنانے کی پیش کش کی گئی تھی لیکن انہوں نے یہ عہدہ قبول کرنے کی بجائے جیل جانا قبول کر لیا اور ایک آپ ہیں کہ حنفی ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور چیف خطیب کے عہدے کیلئے اس قدر بے چین ہیں کہ سفارشیں کروا رہے ہیں۔"

پھر مولوی جی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نے گورنر فضل حق کو جواب بھیج دیا ہے کہ "مجھے فقیر رہنے دیں اور جو اس عہدے کے طلب گار ہیں انہیں اس پر تعینات کر دیا جائے۔" گورنر فضل حق کو آنجناب رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ عقیدت کا یہ صلا ملا کہ جب ان کی انتقال ہوا تو ان کی نمازِ جنازہ حضور مولوی جی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے پڑھائی۔

انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ جناب محمد کامل خان ابوالعلائی (سپرنٹنڈنٹ ڈاکخانہ جات پشاور) قبلہ مولوی جی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ ایک شیشے کا فریم جو اخبار میں لپٹا ہوا تھا مولوی جی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی نذر کیا تو آپ نے پوچھا یہ کیا ہے تو انہوں نے اخبار اتار کر سیماب اکبر آبادی کا یہ شعر پڑھا جو اس فریم میں جلی قلم سے خوش خط لکھا ہوا تھا

جو ہیبت فقر دیکھنی ہو گزر کسی بوریا نشیں پر
کہ سر بسجدہ تجھے یہیں پر جلالت خسروی ملے گی

حضور مولوی جی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا بڑا عمدہ شعر ہے۔ تو کامل صاحب کہنے لگے حضور بابا عبیداللہ درانی رحمتہ اللہ علیہ (بانی پرنسپل انجینئرنگ کالج پشاور، حال انجینئرنگ یونیورسٹی پشاور) نے فرمایا ہے کہ یہ فریم آستانہ عالیہ میں دیوار پر لگوا دیا جائے۔

حضور مولوی جی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اگر ان کی خواہش ہے تو لگا دو۔ یہ دراصل ایک باہوش فقیر بابا عبیداللہ درانی رحمتہ اللہ علیہ کی طرف سے قبلہ مولوی جی رحمتہ اللہ علیہ کی شان اور مقامِ فقر و درویشی کا اعلانِ عام تھا۔ گویا آنجناب فنافی اللہ بقاباللہ کے مقام پر فائز تھے۔

تبصرۂ کتب

(تبصرہ کیلئے کتاب کے دو نسخے ارسال کیے جائیں)

عنوان: نور سے ظہور تک (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

مصنفین: حضرت علامہ شاہ محمد رکن الدین الوری رحمۃ اللہ علیہ وعلامہ محمد منشاء تابش قصوری مدظلہ العالی

سالِ اشاعت: ۱۴۲۶ھ / ۲۰۰۵ء

صفحات: ۳۳۴

قیمت: ۱۶۵ روپے

ناشر: نوری کتب خانہ، معصوم شاہ روڈ نزد نوری مسجد بالمقابل ریلوی سٹیشن لاہور۔

تبصرہ نگار: سید محمد یاسر بخاری

زیرِ تبصرہ کتاب اہلِ سنت کے دو جلیل القدر علمائے کرام کے رشحاتِ قلم کا مجموعہ ہے۔ ان میں ایک حضرت علامہ زبدۃ العارفین مولانا شاہ رکن الدین الوری رحمۃ اللہ علیہ نے ''مولودِ محمود'' کے عنوان سے تحریر فرمائی جس میں انہوں نے حضور نبی کریم، شفیع المذنبین، رحمت للعالمین، احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکر مبارک، ولادت باسعادت، فضائلِ درود وسلام اور معجزاتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عالمانہ انداز میں بحث فرمائی ہے جو ''آئینہ جمال نور'' (حصہ اول) کے عنوان سے کتاب کے صفحہ ۱۱۲ تک پھیلی ہوئی ہے۔

کتاب کا یہ حصہ ''عیون بخشش'' کے تاریخی نام سے ۱۳۳۹ھ میں پہلی بار شائع ہوا تھا اور اب ستاسی سال کے بعد دوبارہ منظرِ عام پر آیا ہے۔

کتاب ہذا کا دوسرا حصہ ''آئینہ جمالِ نور'' کے عنوان سے صفحہ ۱۱۵ سے شروع ہو کر آخر صفحہ

۳۴۴ تک چلا جاتا ہے۔ یہ عالمِ نبیل، فاضلِ شہیر حضرت علامہ محمد منشاء تابش قصوری (مدرس وصدر شعبہ فارسی جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور) نے قلمبند فرمایا جس میں آپ نے چند ایسے مسائل پر تحقیق کی ہے جن کے متعلق موجودہ دور کے بعض اہل قلم نے شکوک وشبہات کا اظہار کیا ہے۔ حالانکہ متقدمین علماء کرام ان مسائل پر متفق ہیں۔

چنانچہ حضرت علامہ محمد منشاء تابش قصوری مدظلہ العالی نے ناموسِ رسالت ﷺ کے تحفظ کا حق ادا کرتے ہوئے حضور پاک ﷺ کی شانِ نورانیت، عدمِ سایۂ مصطفیٰ، حدیثِ لولاک، میلادِ مصطفیٰ ﷺ اور معجزاتِ مصطفیٰ ﷺ پر قرآن وحدیث اور متقدمین ومعاصر علماء کرام کی تحریروں سے استفادہ کرتے ہوئے بڑے مثبت اور مدلل انداز سے روشنی ڈالی۔ جگہ جگہ ایمان افروز واقعات بھی نقل کئے گئے ہیں۔ ''تفہیماتِ نور'' کے عنوان سے ذکر کئے گئے اشارات اور دیگر تبرکات خاص طور پر توجہ طلب ہیں۔ موصوف کا یہ تحقیقی مقالہ قبل ازیں ''محمد نور'' کے عنوان سے بر صغیر پاک وہند کے مختلف تبلیغی واشاعتی اداروں کی طرف سے تیس بار چھپ کر دینی وعلمی حلقوں میں شرفِ قبولیت حاصل کر چکا ہے۔

اس روح پرور کتاب کے دونوں مقالہ جات اپنی اپنی جگہ بڑی اہمیت وافادیت کے حامل ہیں جن کا مطالعہ عام قارئین کے علاوہ واعظین اور مقررین کیلئے بے حد مفید اور ضروری ہے۔ جوان مذکورہ بالا موضوعات پر آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ اور عربی، فارسی اور اردو کے دلکش اشعار سے اپنی تقریروں کو آراستہ کر کے عوام وخواص کے قلوب میں عشق رسول کریم ﷺ کی شمع فروزاں کر سکتے ہیں۔

کتاب کی کمپیوٹر کمپوزنگ میں غلطیاں پائی جاتی ہیں، امید ہے آئندہ ایڈیشن میں ان کی اصلاح کردی جائے گی۔